قاسم العلوم والخیرات حجۃ الاسلام والامام محمد قاسم النانوتوی
بانی دارالعلوم دیوبند
اور اکابر امت کے علوم وافکار کا نقیب

ماہنامہ

ندائے دارالعلوم وقف دیوبند

NIDA-E-DARUL-ULOOM WAQF DEOBAND

مدیر اعلیٰ

حضرت مولانا محمد سفیان قاسمی صاحب دامت برکاتہم

دفتر ماہنامہ
ندائے دارالعلوم وقف دیوبند
ضلع سہارنپور، یوپی (انڈیا)

قاسم العلوم والخیرات حجۃ الاسلام والامام محمد قاسم النانوتویؒ بانی دارالعلوم دیوبند

اور اکابرامت کے علوم وافکار کا نقیب

ماہنامہ ندائے دارالعلوم وقف دیوبند

جلد نمبر ۱۶ | محرم الحرام ۱۴۴۶ھ مطابق جولائی ۲۰۲۴ء | شمارہ نمبر ۱

مدیر اعلیٰ

حضرت مولانا محمد سفیان صاحب قاسمی دامت برکاتہم

مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند

مدیر

مولانا ڈاکٹر محمد شکیب قاسمی

نائب مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند

ڈائریکٹر حجۃ الاسلام اکیڈمی دارالعلوم وقف دیوبند

شرح خریداری

فی شمارہ	۲۵/روپے
سالانہ علاوہ ڈاک خرچ	۲۵۰/روپے
سالانہ مع ڈاک خرچ	۳۲۵/روپے
تاعمر	۵۰۰۰/روپے

◯ اس دائرہ میں سرخ نشان علامت ہے آپ کی مدتِ خریداری مکمل ہوچکی، رسالہ جاری رکھنے کے لئے دفتر سے رابطہ کریں۔

شائع کردہ : شعبۂ نشرواشاعت، دارالعلوم وقف دیوبند، سہارنپور (یوپی)

MONTHLY NIDA-E-DARUL ULOOM WAQF DEOBAND

SAHARANPUR (U.P.) INDIA PIN : 247554

Website: www.dud.edu.in / Email : nidaedaruluthe@gmail.com

☆ مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں۔ قانونی چارہ جوئی کا حق صرف مقامی عدالت کو ہوگا۔

اس شمارے میں

اداریہ

وہی بیناہے جوامروز سے کھینچے سرفردا	حضرت مولانا محمد سفیان قاسمی صاحب	۳

بحث و تحقیق

حجۃ الاسلام الامام محمد قاسم نانوتویؒ......	مولانا غلام نبی قاسمیؒ	۱۰

مقالات و مضامین

مسئلہ فلسطین اور سلطان عبدالحمید ثانی	مولانا عتیق احمد بستوی	۱۹
دینی مدارس کے لئے ’’لسان قوم‘‘ کی اہمیت	پروفیسر محسن عثمانی ندوی	۲۳
جمہوریت کی تعمیر میں علماء کا کردار	مولانا امانت علی قاسمی	۲۸
بیع المعدوم کا تجزیاتی مطالعہ	مولانا عصمت اللہ نظامانی	۳۵
مسلمان لڑکیوں میں بڑھتا ہوا فتنۂ ارتداد	مولانا محمد اسجد عقابی	۴۱
الیکٹرمیگنٹک اسپیکٹرم، موبائل فون اور انٹرنیٹ	ڈاکٹر مبشر حسین رحمانی	۴۵
امام اعظم ابوحنیفہؒ کا حدیثی اور فقہی ذوق	مولانا محمد صدیق ابوالحاج مظفری	۵۰
جنت کی ایک عظیم نعمت ’’دیدارِ الٰہی‘‘	مولانا محمد طارق نعمان گڑنگی	۵۶
علم کلام جدید	حکیم فخر الاسلام	۶۱

خبرنامہ

احوال وکوائف	ادارہ	۶۳

ماہنامہ ’’ندائے دارالعلوم‘‘ دارالعلوم وقف کی ویب سائٹ پر بھی پڑھا جاسکتا ہے۔ **Website: www.dud.edu.in**

نوٹ : خریدار حضرات رسالہ سے متعلق ضروری معلومات کے لئے اوقاتِ دفتر ۸ تا ۲ بجے ہی رابطہ کریں۔ +91 8439512767, +91 8439412767

اداریہ

وہی بینا ہے جو امروز سے کھینچے سرِ فردا

حضرت مولانا محمد سفیان قاسمی صاحب مدظلہٗ ❖

ہماری یہ کائنات مالک حقیقی اور قادر مطلق کی ایسی حکیمانہ تخلیق ہے جہاں جمادات نباتات حیوانات جن وانس شمس وقمر بحر و بر ہوا وفضا اور ارض وجبل گویا کہ عرش تا فرش کے درمیان تمام عوالم کا ایک ایک ذرہ وریزہ اور چپہ چپہ بزبان حال وقال اس غیر مقید حقیقت کا گواہ ہے کہ کائنات میں پائی جانے والی کوئی مخلوق ایسی نہیں ہے جس پر رب العالمین کی بہ تمام وکمال قدرت کاملہ کی چھاپ جلی وخفی انداز میں بشرط بصیرت بایں طور محسوس نہ ہوتی ہو کہ حکیم مطلق کا کوئی بھی فعل وعمل حکمت ودانائی کے منتہائے کمال و عروج کا معلن ومناد ہے، یہ دوسری بات ہے ہماری عقل وبصیرت کی نارسائی اور محدودیت کے سبب اس حکمت میں پوشیدہ مشیئت حق کے رازہائے سربستہ کی علت کو جاننے سے انسان کتنا ہی عاجز وقاصر کیوں نہ ہو لیکن ایک مؤمن اپنی فراست ایمانی جو کہ بہ کمال اتصال ربانی **واعتصموا بحبل اللّٰہ** (۱) کے حتمی و لازمی نتیجہ خیز یقین کامل کی بنیاد پر یہ ضرور جانتا ہے کہ دانائے کُل کے جملہ افعال واعمال کے پس پردہ خیرِ کل اور اس کی بیکراں ولامتناہی رحمتوں کے سمندر موجزن ہیں، رحمت حق کے اسی تسلسل میں ایک زاویۂ حقیقت یہ بھی ہے کہ ذات حق جل مجدہ نے کائنات اور اس کے کُل جہانوں میں پائی جانے والی بلا تفریق انواع و اجناس میں منقسم تمام مخلوقات وموجودات کے لیے لحظۂ تخلیق کے اولین مرحلے میں ہی اپنی حکمت ومشیئت اور رحمت کے تحت اس کی تقدیر فنا کو مقدر فرما دیا تھا جس طرح نیست سے ہست اور پھر ہست سے نیست کی جانب واپسی کے سفر تسلسل میں ہر ایک مخلوق کا اس دنیا میں منصۂ شہود پر ظہور اور اس پر گزرنے والا لمحۂ اول دراصل اس کے اپنے انجام کی جانب پہلے قدم سے عبارت ہے اسی قانون فطرت کے مطابق اپنے ظہور کے اولین لمحے میں لیا جانے والا پہلا سانس انسان کا اپنے فنائے عارضی کے راستے سے اگلے جہان کی جانب نقش پا کے تعبیری مفہوم کا استعارہ ہوتا ہے، کائنات کی عظیم ترین تخلیقات سے لے کر کمترین اور نادیدہ

❖ مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند
مدیر اعلیٰ ماہنامہ ندائے دارالعلوم وقف دیوبند

(۱) سورہ آل عمران: ۱۰۳

مگر محسوس بالآ ثار تمام مخلوقات عالم تک کا تجزیہ کیا جائے تو حاصل مفہوم اسی رنگ حقیقت میں سامنے آئے گا کہ اس کائنات آب و گل کی ہر ایک شئے میں جو رعنائی حیات و زیبائی وجود پائی جا رہی ہے اس کی اصل حقیقت و ماہیت موت و فنا کے وجود ہی سے قائم و دائم ہے، گویا بزبان ناسخ ؎

زندگی کیا ہے عناصر میں ظہور ترتیب ۞ موت کیا ہے انہی اجزاء کا پریشاں

اس ایک ہی وحدت کی دو رخی ماہیت کے مقصد تخلیق کو کلام الٰہی نے اس طرز ادا سے تعبیر کیا ہے الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَ الْحَیٰوةَ لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًاوَ هُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفُوْرُ (۱) (وہ جس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تاکہ تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں کون زیادہ اچھے عمل کرنے والا ہے اور وہی بہت عزت والا بہت بخشش والا ہے) اور اسی مائل بہ فنا قوانین عالم میں ذات حق جل مجدہ کے حکمت افروز مشیئت اور مصالح آفرینش سے تعلق رکھنے والے فکر انسانی کی قوت تحمل سے ماوراء بے حد و شمار ایسے راز ہائے سربستہ پوشیدہ و پنہاں ہیں جہاں انسان کی جوہر عقل و فہم و شعور کی صلاحیت و استعداد اور ادراک و دریافت کی ہمہ اقسام توانائیوں سے تعلق رکھنے والی سب حدیں تمام ہو جاتی ہیں گویا جس مقام پر عقل و خرد اور فہم و شعور کا اختتام ہے وہی موقع و محل غیبی رموز و اسرار کا نقطۂ آغاز ہے جس تک حسب مشیئت رب رسائی کی امکانی راہ کا آخری مرتبۂ علم یعنی معرفت وحی کے وسیلے سے ہی ممکن ہے اور بجز اس ایک وسیلۂ علم قرآنی کے کوئی دوسرا مقام علم و معرفت ایسا نہیں ہے جس کو ذریعہ بنا کر انسان غیبی اسرار و حکم کی علت کو سمجھ سکے، وَمَا اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا (۲) موت و حیات کی تخلیق کے اس موقع و محل پر فلسفیانہ اعتبار سے یہ ایک اعتراض وارد ہوا کیوں کہ عقل کا تخلیقی وظیفۂ عمل ہی اعتراض اور نکتہ چینی و حرف گیری ہے اور علم کے دلائل و انکشافات اعتراض کی اساس پر ہی منکشف ہوتے ہیں، گویا کہ تنقید ہی ہے جو علم و آگہی کو ارتقاء کی راہ فراہم کرنے کا ذریعہ بنتی ہے۔ چنانچہ اس مقام پر اعتراض واقع ہو کہ خلق و ایجاد دراصل کسی چیز کو وجود عطا کرنے کا نام ہے جبکہ موت کا تعلق وجود کی ضد عدم سے ہے تو جب موت ایک عدمی چیز ہے تو اُس پر خلق کا اطلاق کیسے ہو سکتا ہے؟ اس کا استدلالی جواب اصحاب علم نے یہ دیا ہے کہ دراصل یہاں موت سے مراد انسان کی سب سے اولین تخلیق سے پہلے کا وہ وقت ہے جو کہ عدم محض کہلاتا ہے، از روئے فرمان حق جل مجدہ هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِیْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ یَكُنْ شَیْـًٔا مَّذْكُوْرًا (۳) بے شک انسان پر ایک ایسا وقت آ چکا ہے کہ کہیں اس کا نام و نشان نہ تھا، دراصل یہاں لفظ دہر سے وہ عصر لامحدود مراد ہے جس کی طوالت کا عقل انسانی احاطہ کرنے سے قطعاً عاجز و قاصر ہے، اور لفظ ''حین'' اپنے وسعت مفہوم کے ذیل میں اس وقت خاص سے تعلق رکھتا ہے جو اس عصر لامتناہی کے درمیان پیش آیا ہو جو وقت کا ایک ایسا بحر بیکراں ہے جس

(۱) سورۂ ملک، آیت: ۲ (۲) سورۂ اسراء، آیت: ۸۵ (۳) سورۂ دہر، آیت: ۱

کے اندر کائنات میں ظہور پذیر ہونے والے ہر قسم کے حادثات و واقعات پیدا ہوتے ہیں اور وقت کے اسی سمندر میں سے انسان بھی برآمد ہوا ہے، سورۃ العصر والدہر کی اسی حقیقت بیانی کا بہترین عکاس علامہ اقبالؒ کا یہ شعر ہے:

قلزم ہستی سے تو ابھا ہے مانند حباب ۞ اس زیاں خانے میں تیرا امتحاں ہے زندگی

اس دنیا میں آفتاب و ماہتاب کے ضوفشاں وجود سے کہیں زیادہ روشن ترین اگر کوئی حقیقت ہے تو وہ موت و فنا ہی ہے جس کا ہر انسان شب و روز بچشم سر مشاہد ہوتا ہے مگر اس کے برخلاف اس مسلمہ صداقت سے اعراض وغفلت کا پہلو بھی ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ تخلیق آدم کے لمحۂ اول سے لے کر تا آخر دم روئے ارضی پر پائی جانے والی اقوام وملل میں ایک سے بڑھ کر ایک منحرف لوگ پیدا ہوتے رہے ہیں جن میں حضرت حق جلّ وعلا کی ذات وصفات اور ان کی وجودی حیثیت کے منکر و باغی بھی رہے، انبیائے کرام کی رسالت وصداقت کے مکذبین بھی پائے گئے، عہد الست کے ایفائے عہد کے قول وقرار سے مربوط انسان کی فطری وطبعی سرشت کے زیر اثر دین وایمان کی لازمی ضرورت اور اصولی اہمیت کے باوجود اپنے باطل افکار ونظریات کی اساس پر اس کو نہ ماننے والے بھی نہ جانے کتنے سرکش ملحد اور دہریئے ہر ایک عہد عصر کا حصہ بنتے رہے بایں ہمہ نوع انسانی کے مکمل تاریخی تسلسل میں ازاول تا آخر نہ کوئی ایسا واقعہ گذرا ہے اور نہ گزرے گا، نہ ہی کوئی فرد واحد ایسا پیدا ہوا اور نہ ہوگا جس نے موت کی حقیقت اور اس کی وجودی حیثیت کے انکار کی جرأت وجسارت کی ہو اگرچہ اصل پیدائشی فطرت کے برخلاف حقیقت سے مدۃ العمر کنارہ کش و روگرداں بھلے ہی رہا ہو تا آنکہ بزبان کلام الٰہی وَ جَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ (۱) کی حقیقت کبریٰ سے سامنا کئے جانے کا وقت سر پر آن پہونچا ہو اور موت کی سختی آن کی آن میں حق کے ساتھ سر پر آکھڑی ہوئی اور یہ وقت کی وہی ساعت ہے جس سے تو بھاگتا تھا، یہی وہ لمحات ہیں جبکہ مطیع و نافرمان بہر دو اقسام کے جملہ افراد پر متاع الغرور یعنی اس عالم آب وگل کی حقیقت علیٰ وجہ البصیرت اس فرق نوعیت کے ساتھ منکشف ہوتی ہے کہ یہ نازک ترین لمحات حکم بردار واطاعت گزار بندوں کے لیے جیل سے حکم رہائی کے مترادف نشاط افزا وفرحت انگیز وقت نوید ہے جبکہ باغیان رب اس عرصۂ وحشت میں اس مشہور فارسی مَثَل کے مترادف ہوتے ہیں ”گر نبیند بروز شپرہ چشم، چشمۂ آفتاب راچہ گناہ“ اگر کسی شپرہ چشم (سورج کی روشنی میں آنکھیں بند رکھنے والی چمگادڑوں) کو روز روشن دکھائی نہ دے تو اس میں چشمۂ آفتاب کا کیا قصور؟ بہر حال بساط کائنات لپیٹ دیئے جانے کا وقت معین تو عالم الغیب والشہادہ کے علم ازلی میں ہے، اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ (۲) بیشک قیامت کا علم اللہ ہی کے پاس ہے، البتہ الصادق والمصدوق رسالت مآب جناب محمد رسول اللہ ﷺ جن کی علیٰ وجہ الکلام قرآنی، ربانی صفت و ماینطق عن الھویٰ إن ھو إلا وحی یوحیٰ (۳)

(۱) سورہ ق، آیت: ۱۹ (۲) سورۂ لقمان، آیت: ۳۴ (۳) سورۂ نجم، آیت: ۳، ۴

کے زیر اثر مصور فطرت نے وقوع قیامت سے قبل دنیا کے مشارق و مغارب میں پیش آنے والے تمام اہم و غیر اہم ہر ایک نوع کے واقعات آپ کے قلب مبارک پر اس طور وارد کردیئے جیسے بچشم سر دکھائی دیئے جانے والے تغیراتی حقائق کا انسان مشاہدہ کرتا ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے بساط کائنات لپیٹ دیئے جانے کے قریبی وقت کے پس و پیش میں وقوع پذیر ہونے والے اشاراتی انقلابات و تغیرات اور عام سطح پر محسوس کی جانے تبدیلیوں اور اس کے انقلاب انگیز آثار سے نہ صرف امت کو باخبر ہی فرمایا بلکہ اپنی سلامتی و محافظت کی تدابیر پر سورۃ الکہف کے پہلے اور آخری رکوع کی تیر بہ ہدف اکسیری تاثیر سے بھی مطلع فرمایا اور تاکید بھی فرمائی ہے تاکہ ہر ایک سطح پر افراد امت کے عقیل و فہیم ذہین و فتین وسعت فکر و نظر رکھنے والے اور باضمیر و باشعور صفات کے حامل افراد امت ان حقائق کا بلحاظ قربت وقت وقوع پذیری کی محکم اہمیت کا خود بھی احساس کریں اور اپنے زیر دست و بالا دست حلقۂ اثر سے وابستہ اعیان و اشخاص کو علیٰ قدر فہم و شعور حسب موقع بذیل حدیث رسول ﷺ باخبر کرتے رہنے کے فرضِ منصبی کو بھی حسب موقع انجام دیتے رہیں۔ **عن عبدالله بن عمرو رضی الله عنه أن النبی ﷺ قال بلغوا عنی ولو آیة و حدثوا عن بنی اسرائیل ولا حرج، ومن کذِب علیَ متعمدا فلیتبؤا مقعده من النار.** (۱) حدیث مذکور کا تشریحی مفہوم یہ ہے کہ جناب محمد رسول اللہ ﷺ ہر ایک فرد امت کو بالعموم اور اصحاب علم کو بالخصوص آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے نقل شدہ علم عامۃ الناس تک پہونچانے کا حکم فرما رہے ہیں خواہ وہ علم قرآن کریم کی صورت میں ہو یا وہ مستند اور حوالہ جاتی روایات کے ذیل میں حدیث پاک کی شکل میں آپ تک پہنچا ہو، وہ علم کم ہو کہ زیادہ ہو اگرچہ وہ کلام الٰہی کی ایک مختصر سی آیت ہو، جز و حدیث ہو یا کوئی فقہی حکم ہی کیوں نہ ہو، البتہ اس میں سب سے بنیادی اور اہمیت کی حامل شرط لازم یہ ہے کہ انسان جو کچھ علم دوسرے کو پہونچا رہا ہے یا بحوالۂ رسول اللہ ﷺ جس بات کی طرف دعوت دے رہا ہے اس کو بیان کرنے کے لیے اس کے پاس مستند اور پختہ حوالہ کا ہونا لازم ہے کیونکہ آپ ﷺ نے تاکیدا بصورت وعید و انذار اپنی طرف منسوب کی جانے والی کذب بیانی کرنے کی نتیجہ خیزی بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ جس نے میری جانب بالقصد حقیقت واقعہ کے برخلاف دروغ آمیز نسبت قائم کی اسے چاہیے کہ وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں تلاش کرے **(اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم)** لہٰذا کسی بھی حدیث پاک کو دوسروں کے سامنے نقل کرنے سے قبل مستند حوالوں سے صحت روایت کا یقین حاصل کر لینا انتہائی لازم اور ضروری ہے تاکہ انسان کہیں خدانخواستہ اس سخت ترین وعید کے زیر اثر نہ آجائے، علاوہ ازیں از روئے حدیث مذکور بنی اسرائیل کے عہد و عصر میں پیش آمدہ ایسے واقعات اور احوال کوائف بیان کیے جاسکتے ہیں جو شریعت کے جملہ مآخذ میں کسی سے متصادم نہ ہوں، محدثین کرام نے آخرالزماں کے پس و پیش میں رونما ہونے والے منقلب احوال و

(۱) بخاری شریف، حدیث: ۳۴۶۱

کیفیات، آثار و اثرات اور نیرنگیٔ عہد کے ذیل میں ابواب الفتن کے جامع عنوان کے تحت اپنی جوامع و سنن اور مسانید میں ایسی تمام احادیث کو مدون اور نشان زد فرمایا ہے، جن کا تعلق قربِ قیامت کے حوالے سے پیش آنے والے واقعات وحوادثات سے ہے، نیز آسمانی ہدایات کے تسلسل کے ضمن میں یہ حقیقت بھی روشن وآشکارا ہے کہ نبی آخرالزماں جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی امت بنی نوع انسانی کی وہ آخری امت ہے جو منصب شہادت پر فائز کی گئی ہے تفصیلات سے قطع نظر جس کا حاصل یہ ہے کہ دنیا کے اختتامی ادوار میں پوری انسانیت کی کامیابی کا انحصار اب امت محمدیہ کے اصلاح اعمال پر قائم ہے فکر ونظر کا یہ وہ حقیقی زاویہ ہے جو ہمارے فرائض منصبی سے مربوط ہماری انتہائی حساس اور بروز محشر بارگاہِ رب میں قابل جواب دہی ذمہ داریوں کی اہمیت کو آشکار کرنے کے لیے کافی ہے۔ اس زاویۂ فکر کا تجزیہ بایں طور بھی کیا جاسکتا کہ جس طرح جناب محمد رسول اللہ ﷺ کو امام الانبیاء کے مرتبۂ عظمت پر فائز کیا گیا ہے اسی طرح آپ کی امت کا درجہ امام الامم کا ہے اور از روئے فقہ مسلّمہ مسئلہ یہ ہے کہ اگر امام کی وضوٹوٹ جائے تو مقتدیوں کی نماز بھی باقی نہیں رہتی ہے اور افرادِ امت کے اصلاح خُلق کی ذمہ داری علمائے دین پر عائد ہوتی ہے چنانچہ اس حقیقت کے پس منظر میں عہد رواں کے پیش منظر کو جب دیکھتے ہیں تو ایسا لگتا ہے کہ جیسے مسلمان اپنی ذمہ داری بُھلا بیٹھے ہیں کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ اگر انسان خود خلیق ہو تو اس کے اثر سے دوسرے بااخلاق بن سکتے ہیں اور اس کے عکس کی بھی یہی تاثیر ہے، لہذا اگر اسی حقیقت کو وسیع تر تناظر میں اُمم عالم کے درمیان اپنی امام الُامم کی حیثیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے درپیش احوال کا بالکل غیر جانب دار اور مخلی بالطبع ہو کر تجزیہ کر لیا جائے تو پوری دنیا میں امت مسلمہ پر گزر رہے آزمائشی دور کے اسباب اور اس کی توجیہات تک فکر مُسلم کو بآسانی رسائی حاصل ہو سکتی ہے۔

بیسویں صدی کے اوائل سے عہد رواں تک اور فرد کی سطح سے لے کر عالمی پیمانے تک برق رفتار انقلابی تبدیلیوں نے جس طرح ہمہ جہت و ہمہ گیر طریقے پر انسان کے فکر ونظر کو ہر ایک میدان حیات میں انقلاب انگیز تغیرات سے روشناس کرایا ہے اور بالخصوص اکیسویں صدی کی آخری دھائی کے آغاز سے تو جیسے یہ طلسماتی تبدیلیاں ہوا کے دوش پر ہماری زندگیوں کا ایسا جزو لازم بن چکی ہیں جن کے بغیر زندگی گزارنے کا تصور بھی بقول شخصے کہ ایں خیال است ومحال است وجنوں بن کر رہ گیا ہے، مقام فکر ہے کہ ڈیڑھ ہزار سال کے طویل ترین فاصلۂ وقت پر رہتے ہوئے دنیا کے آخری عہد وعصر میں پیش آنے والے تغیر و تبدل کے منطقی نتائج کے تعلق سے سرچشمۂ صداقت جناب نبی کریم ﷺ کی بیان فرمودہ احادیث دین اسلام کی ابدی صداقت کی ایسی مونہہ بولتی گواہی ہے جس کو سلامتی طبع کی شرط پر بلاتفریق مذہب وملت ہر ذی فہم وعقل انسان بچشم سر دیکھ بھی سکتا ہے اور محسوس بھی کر سکتا ہے اور اگر شعور وضمیر میں مائل بہ سبق آموز ایمانی عناصر کا غلبہ ہے تو اگلے جہاں کے تحفظات کو استحکام فراہم کرنے کی جہد ومساعی کو آج ہی حرز جاں بھی بنا سکتا ہے عصر رواں کا ذوق ومزاج، فکر وعمل کے تیز رفتار بدلتے انداز، رد وقبول کے سابق پیمانوں

سے مختلف ہی نہیں بلکہ بالکل ہی متضاد معیارات اور اس جیسی متعدد واضح اور نمایاں قسم کی تبدیلیاں اس حقیقت پر گواہ بن کر اس یقین کو دم بہ دم تقویت بہم پہونچانے کے لیے کافی ہیں کہ موجودہ دور کی انسانیت نے دنیا کے اُس اختتامی دور میں نہ صرف قدم ہی رکھ دیا ہے بلکہ ہم مکمل طور پر اسی عہدِ جالیت میں سانس لے رہے ہیں جس کی علامات سے الصادق والمصدوق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہیں واضح انداز میں تو کہیں تمثیلی پیرائے میں اور کہیں اشاراتی طریق پر امت کو باخبر کرتے ہوئے خود احتسابی کے ارادہ وعمل کے ساتھ جائزہ لیتے رہنے اور اپنی راہ کو مستقیم رکھنے کی بے حد تاکید فرمائی ہے، یقین کیجیے، آج کے ہیجان انگیز دورِ وحشت میں سانس لے رہی انسانیت کے پاس اب زیادہ وقت نہیں بچا ہے، مطلعِ انسانیت پر چھا رہی خوں رنگِ شفق علامت کبریٰ قربِ قیامت کی مناد بن کر بیدار ضمیر وشعور مؤمنین کو اس پیغام حیات کی جانب متوجہ کررہی ہے کہ اس طوفان بلاخیز سے باعزت رہائی کا راستہ صرف اور صرف **الابذکر اللّٰہ تطمئن القلوب** (۱) سے ہوکر ہی گزرتا ہے جس کے راہنما خطوط اور جذبۂ عمل کو ایمانی تقویت جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی سیرت مطہرہ کے بقصد عمل مطالعہ سے حاصل ہوگی یہی وہ راستہ ہے جس کے وسیلے سے ہمارے فکر کی راہیں راست اور ہموار ہوکر ہمیں سرمدی کامیابیوں سے ہمکنار کردینے کی مقناطیسی صلاحیت اپنے اندر رکھتی ہے اور ایمان ویقین کی تسخیری قوت کی اساس پر اسی کے ذریعہ درپیش آلام ومصائب کا مُداوا ممکن بنایا جاسکتا ہے اور وہ اس طرح کہ تبدیلیٔ فکر کے ساتھ زاویۂ نظر اس پہلو پر مرتکز کرتے ہوئے اس حقیقت کو فکر وتحقیق کا محور بنائیں کہ دنیا کے اس محدود ترین عرصۂ حیات میں اس وقت جس طرح انسانیت کو ہمہ وقت و ہمہ دم ہمہ اقسام و ہمہ جہت غم وآلام کا سامنا ہے، اگر دنیا کے ان تمام رنج وغم اور تکالیف و پریشانیوں کی بنیادی واساسی علت وسبب کو تلاش کیا جائے تو بنیادی اکائی کی صورت میں جو وجہ سامنے آتی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ تمام کے تمام غم حیات کا تعلق دراصل اس فانی وناپائدار دنیا کی عارضی آسائشوں اور آرائشوں کے حوالے سے زیادہ سے زیادہ اور جلد از جلد حصول کے لئے صرف کی جانے والی فکری، ذہنی اور جسمانی توانائیوں کے بے جا اسراف اور تھکادینے والی ہمہ وقتی جدوجہد سے ہے یا حاصل شدہ راحتوں کے کسی بھی وقت کے زائل ہوجانے کی صورت میں اندیشۂ محرومی سے ہے یا پھر اس فکر مسابقت سے باندازِ حسد ہے کہ دوسرے کے پاس ہے اور میں محروم ہوں۔ چنانچہ ان تمام مصائب وآلام پر انسان کے ردعمل کو ہم دو بنیادی اقسام میں تقسیم کرسکتے ہیں، ایک ردعمل وہ ہے جو صبر ومصابرت حوصلہ واستقامت برداشت و شکیبائی کی صورت میں غم آلام کے باوجود راہ حق پر قائم رہنے کا حوصلہ فراہم کرنے میں معاون وممد ثابت ہوتا ہے یہ ایجابی اور مثبت ردعمل ہے جس کی عملی تقویت ومداومت پختگیٔ ایمان وعقائد کی بنیاد واساس پر براہ مطالعۂ سیرت مطہرہ سے حاصل ہوتی ہے نیز یہی وہ معنوی قوت ہے جو ذات حق جل مجدہ کی صحیح معرفت

---

(۱) سورۂ رعد، آیت: ۲۸

کے لیے ذہنی راہ کو ہموار کرنے میں بطور وسیلہ محرک عمل بنتی ہے جو انسان کو رب کائنات کے قریب تر کرنے کے ساتھ اس کا ایجابی نتیجہ اس طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ ہر ایک پیش آنے والا نیا غم اور ہمہ اقسام محرومی کا جذباتی تاثر عبد و معبود کے مابین ایک بے مثال خوبصورتی و پختگی کے احساس کو ہمہ دم فرحت بخش تازگی سے ہمکنار کرتے ہوئے باطن کی پاکیزگی کا موجب بن جاتا ہے، اس کے برخلاف دوسرے ردعمل کا تعلق وہ ہے جو شکوہ و شکایت اور ناشکری و بداخلاقی اور انقباضِ قلب کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے جس کے لازمی اور منطقی نتائج بایں طور ظہور پذیر ہوتے ہیں کہ ہمارے پیش آمدہ مصائب و غم بجز اس دنیا کی محرومی و نامرادی میں اضاعف مضاعف کا ذریعہ بننے کے سوا اور کچھ نہیں دے پاتے ہیں جس کی وجہ سے ہم ہمہ وقت غم والم کا ایک انبوہ گراں بار سر پر اٹھائے زندگی بھر یہاں وہاں گھومتے رہتے ہیں کیونکہ قاعدہ ہے اہل فکر و نظر یعنی اول الذکر کے ذہنوں میں مقاصد جگہ پاتے ہیں جبکہ اہل ہوس یعنی مؤخر الذکر کے دماغوں میں محض خواہشات جنم لیتی ہیں چنانچہ اس دوسرے ردعمل کے حامل افراد بہ لحاظِ آخرت اس لاحاصل گرانباری کے بدلے دنیا کی حیات بخش تازگیوں سے بھی محروم رہ جاتے ہیں اور حیات اخروی میں بھی حق تعالیٰ کی جانب سے اجر و ثواب کے مستحق قرار نہیں دیئے جاتے ہیں، حاصل کلام یہ ہے کہ ہم اپنی زندگی میں پیش آمدہ ہمہ اقسام غموں میں بہر دو ردعمل کا سنجیدگی سے جائزہ لے کر اپنی زندگی کے رخ کا تعین کرتے ہوئے حیات دنیوی کے مزاج فطرت مصائب و آلام میں پوشیدہ حق تعالیٰ کی نعمتوں کی حکمت کو تلاش کریں جو اس حکمت افروز نکتہ میں پوشیدہ ہے کہ ہمہ اقسام کی پریشانیاں اور آلام و مصائب حالات کے بدلنے سے زیادہ خیالات کے منتشر ہو جانے سے پیدا ہوتی ہیں عَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْۚ وَعَسٰۤى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ (۲) جو کچھ ہوتا ہے اذنِ رب کی جانب سے خیر کی بنیاد پر ہی ہوتا ہے، اس تعلق سے ہمارے قلوب کو طمانیت اور تحریک عمل بخش دینے والا یہ فکری محور ہی کافی ہے کہ مصائب و آلام اور تحمل و برداشت کی وہ کونسی نوعیت و صورت ہے جس کا نبی اکرم ﷺ کو مدت العمر کے ہمہ لحظہ و لمحہ سامنا نہیں رہا؟ یہی وہ منبع قوت و عزیمت ہے جس کے اوصاف و کمالات کا بہ نیت اخلاص اتباع آج بھی دنیا میں امت مسلمہ کو درپیش مسائل و مصائب سے باعزت راہ نجات فراہم کر سکتا ہے، یقین کیجیے اگر آپ کو لگتا ہے کہ راہ حیات کے سارے راستے پیچیدہ سے پیچیدہ تر ہو گئے ہیں یا بند ہو گئے ہیں تو ایسے میں بہ رضا و رغبت توکل اور تسلیم و رضا کا راستہ اختیار کریں جس کے نتیجہ میں حق تعالیٰ ذہنی فکری اور عملی اعتبار سے ایسے پوشیدہ راستوں کی طرف رہنمائی فرمائیں گے جس کا ہمیں قریب و بعید کا کوئی تصور و خیال بھی نہیں ہوگا۔

مگر... اس کے لئے حق الیقین شرط ہے۔

---

(۱) سورہ بقرہ، آیت: ۲۱۶

بحث و تحقیق

آخری قسط

حجۃ الاسلام الامام محمد قاسم نانوتویؒ

کے علوم وافکار کی تشریح وترجمانی ''تقریر دلپذیر'' کی روشنی میں

مولانا غلام نبی قاسمیؒ ❖

اہل علم جانتے ہیں کہ حجۃ الاسلام الامام محمد قاسم النانوتویؒ کی دینی بصیرت اور فرق ضالہ باطلہ کی تردید میں مضبوط عقلی دلائل آپ کا ایک ایسا امتیاز ہے کہ جو حجۃ الاسلام امام غزالیؒ اور حجۃ اللہ فی الارض شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے بعد حجۃ الاسلام الامام محمد قاسم نانوتویؒ کے حصہ میں آیا، حجۃ الاسلام اکیڈمی دارالعلوم وقف دیوبند نے بتوفیق ایزدی حضرت نانوتویؒ کی جملہ تصانیف کی تشریح وتسہیل کا عزم کیا ہے۔

افادۂ قارئین کے لیے آغاز حضرت قدس سرہٗ کی مشہور تصنیف ''**تقریر دلپذیر**'' سے کیا گیا اور اس شمارہ میں یہ سلسلہ بحمد اللہ مکمل ہو رہا ہے، امید ہے کہ یہ سلسلہ اہل علم کو پسند آیا ہوگا۔

محمد شکیب قاسمی
ڈائریکٹر حجۃ الاسلام اکیڈمی

اب رہی یہ بات کہ اضافت بہ حیثیت اضافت کسی طرح قابل انقسام نہیں اس کی یہ وجہ ہے کہ سب جملے بہ حیثیت نسبت برابر ہوتے ہیں۔ بڑائی چھوٹائی کا فرق نہیں ہوتا۔ علی ہذا القیاس تمام مرکباتِ اضافی باعتبار اضافت برابر ہوتے ہیں، کمی بیشی کا باہم فرق نہیں ہوتا۔ ورنہ کم وبیش کر لینے کا اختیار ہوتا۔ ورنہ احتمال تو ضرور ہی ہوتا۔ مگر جب اضافات ونسبت قابلِ تقسیم وانقسام نہ ہوئیں، تو یہ بھی ضرور ہوا کہ اضافات ونسبت جس چیز سے متعلق ہوں وہ بھی کم سے کم ایک وجہ سے - یعنی جس حیثیت سے اس سے تعلقِ اضافات ونسبت ہو- قابلِ انقسام نہ ہو۔ ورنہ خود اضافات ونسبت کا انقسام لازم آئے گا۔ مگر بعد اضافات دیکھا تو اشکال کو دیکھا کہ وہ بہ حیثیت تشکل، قابلِ انقسام نہیں گو اور طرح سے قابلِ انقسام ہوں۔ اس لئے یہ بات واجب التسلیم ٹھہری کہ اضافتیں اور نسبتیں اگر متعلق ہوں تو اشکال ہی سے متعلق ہوں۔ بلکہ اشکال کی جزئیت اگر متصوّر رہے تو بہ وسیلۂ اضافت ونسبت ہی متصور ہے یعنی اشکال میں تکثر انقسامی کے بدلے ایک اور تکثر ہوتا ہے جس کو تکثر انطباعی، یا تکثر انعکاسی کہیے تو زیبا ہے۔ جیسے ذو شکل میں تکثر انطباعی کے بدلے تکثر انقسامی ہی ہوتا ہے، تکثر انطباعی نہیں ہوتا۔ یعنی ایک شکل باوجود وحدت، مظاہر کثیرہ میں ظہور کر سکتی ہے، پر ذو شکل مظاہر کثیرہ میں ظہور نہیں کر سکتا اور ایک ذو شکل اقسامِ کثیرہ کی طرف منقسم ہو سکتا ہے۔

❖ سابق استاذ حدیث دارالعلوم وقف دیوبند

پر ایک شکل اقسامِ کثیرہ کی طرف منقسم نہیں ہوسکتی دیکھئے! ایک شکل کئی آئینوں میں منعکس ہوسکتی ہے اور کئی چیزوں پر کندہ ہوسکتی ہے پر منقسم نہیں ہوسکتی اور ذو شکل مثلاً مادہ کئی قسموں کی طرف منقسم ہوسکتا ہے پر آئینوں وغیرہ مظاہر میں منطبع نہیں ہوسکتا، چہ جائے کہ تکثر انطباع۔

الحاصل، آئینے مثلاً کئی ہوتے ہیں، پر شکل وہی کی وہی ہوتی ہے۔ روپۓ مثلاً متعدد ہوتے ہیں اور سکّہ وہی کا وہی ہوتا ہے۔ آئینوں کی شکلوں اور روپیوں کے سکّوں میں آئینوں اور روپیوں کے تعدد کے سوا اور تعدد بھی ہو، تو پھر شکلوں اور سکّوں کی دلالت یک لخت موقوف ہوجائے۔ اور یہ نہ پہچانا جائے کہ یہ کس کی شکل ہے اور یہ کون سا سکّہ ہے؟ الحاصل، خود اشکال میں وحدتِ ذاتی ہوتی ہے۔ پر مظاہر کثیرہ میں ان کا ظہور ہوسکتا ہے اور تکثر انطباعی اور انعکاسی سے بھی یہی بات مراد ہے۔ اور اس کثرتِ ظہور ہی کا نام کلیتِ اشکال ہے، جس کے مقابلے میں خصوصیت ظہور ہے- جو بے اس کے کہ کسی مظہرِ خاص کی طرف اضافت حاصل ہو- حاصل نہیں ہوسکتی- اس لئے بہ مقابلہ کلیت اشکال اس خصوصیت ظہور کو جزئیت اشکال کہنا لازم ہے۔ ہاں ذو شکل کی کلیت اور جزئیت انقسامی ہوتی ہے یعنی اگر ذو شکل قابلِ انقسام ہے، تو کلی سمجھو۔ اور اسی کو تکثر انقسامی خیال فرماؤ اور قابل انقسام نہیں تو جزئی جانو۔

کلی انقسامی کو محسوسات میں سے بمنزلۂ سطح دائرہ ومثلث وغیرہ اشکال ہندسی سمجھو۔ اور جزئی انقسامی کو بمنزلہ مرکز ودیگر نقاط خیال فرماؤ یعنی جیسے دائرے کے اندر سطح مثلاً قابلِ انقسام ہے اور خود مرکز قابلِ انقسام نہیں۔ حالاں کہ شکل مرکز وہی دائرہ ہے۔ کیوں کہ دائرۂ مذکور کے اندر مرکزِ مذکور پر اگر اور چھوٹے دائرے بناتے چلے جائیں، تو سب میں چھوٹا دائرہ وہ ہوگا، جس کے جوف میں فقط مرکز ہی ہوگا اور کچھ نہ ہو۔ اس لئے مرکز کو بہ شکل دائرہ ماننا پڑے گا، مگر باوجود اتحاد شکل دائرۂ مذکور کے اندر کی سطح - جو ذو شکل ہے- قابلِ انقسام ہے اور اس دائرے کا جوف جو مرکز کے متصل بنا ہوا ہوگا، قابلِ انقسام نہیں ایسے ہی کلی انقسامی اور جزئی انقسامی کو- جو اشکال میں متصور نہیں، ذوات الاشکال میں متصور ہیں - خیال فرمایئے۔ کلی کا اطلاق جو جزئیات پر بالیقین ہوتا ہے اور کلی انقسامی کا، یہ اطلاق حقیقت میں مقسم کا اپنے اقسام پر صادق آنا ہوتا ہے۔ وہ اتحادِ شکل کا ثمرہ ہے۔ کلی انعکاسی میں وہ خود شکل ہی کلی ہوتی ہے اور جزئیات میں فقط اضافت کی افزائش اور اس کا اضافہ ہوتا ہے۔ یعنی اس آئینے میں مثلاً انطباع ہوا، تو اس شکل پر کلی، پر یہ خصوصیت بڑھ گئی کہ اس آئینے میں جو منطبع اور منعکس ہے اور ظاہر ہے کہ یہ اختصاص بجز اضافت اور کیا ہے؟

غرض چوں کہ اس قسم میں فیما فبین جزئی وکلی فقط اضافت وعدم اضافت ہوتا ہے تو بے شک ہر جزئی میں وہ شکل مشترک ہوگی اور اس لئے اتحادِ شکل مشار الیہ لازم آئے گا۔ اور جزئیاتِ انقسامی میں وجہ

اشتراکِ شکل یہ ہے کہ مقدارِ اجزا بے شک کل سے کم ہوتی ہے اس لئے یہ تو ممکن ہی نہیں کہ بعد تقسیم، اقسام عین مقسم رہیں اور اطلاق مقسم اس وجہ سے روا ہو۔ ورنہ پھر تقسیم ہی کیوں کہیے۔ اور نہ یہ ممکن ہے کہ اقسام متبائنہ باہم متحد ہوں اور اس لئے دونوں پر ایک نام بولا جائے۔ اور اطلاق مذکور موجّہ ہو ورنہ پھر تبائن اور اجنبیت اور افتراق اور تخالف ہے، اس کا جزئیات میں ہونا ظاہر ہی ہوتا۔ اب ایک احتمال باقی رہا کہ جیسے پانی کا ہر قطرہ مثل کرۂ آب، کروی الشکل ہوتا ہے اور کل کی ہیئت طبعی یعنی کرویت، کرۂ آب کے ہر جزو میں ہوتی ہے، ایسے ہی شکل اقسام وہی شکل مقسم ہو۔ ورنہ اس کو بھی تسلیم نہ کیجئے، تو پھر جزئیات پر اطلاق کلیات کی کوئی صورت نہیں۔

غرض، بہ وجہ اتحادِ شکل کل وجزو یہ بات ہوتی ہے کہ کلی انقسامی کو اس کی جزئیات پر یعنی مقسم کو اس کے اقسام پر بول دیتے ہیں۔ اور غرض یہ ہوتی ہے کہ مقسم اور کلی وہ کل ہے، جس کی شکل اصلی یہ شکل ہے- جو ان جزئیات اور اقسام میں بہ وجہ ظہورات کثیرہ مشترک ہے- یعنی جزئیات، مظاہر شکلِ مذکور ہیں۔ اور چوں کہ حسب تقریر گذشتہ اشکال میں بذات خود کلانی وکوتاہی نہیں مظاہر میں ہوتی ہے۔ اس لئے باوجود کوتاہیٔ اجزاء وکلانیٔ کل شکل وہی کی وہی رہتی ہے۔ اس قسم کی کلیات وجزئیات میں وہ فرق ہوتا ہے جو اصل میں کل اور اس کے اجزاء میں ہوا کرتا ہے، مگر بہ وجہ اتحادِ شکل اطلاق وصدق مجازاً مستعار آجاتا ہے ورنہ شکل سے قطع نظر کیجئے تو پھر نہ صدق ہوتا ہے، نہ اطلاق۔ اس لئے کہ کل، اجزاء میں یہ رابطہ اگر ہو کہ کل کو جزو کہہ دیں اور جزو کو کل، تو پھر کل وجزو ہونا ہی باطل ہو جائے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر یوں کہیے زید انسان ہے اور انسان ایک نوع ہے تو یہ نتیجہ نہیں نکل سکتا کہ زید نوع ہے کیوں کہ دوسرے جملے میں انسان سے یا تو مقسم اور کل مراد ہے، یا وہ شکل خوخاص کل اور مقسم کے ساتھ اضافت اور اختصاص رکھتی ہو۔

بہرحال، چوں کہ جملۂ ثانیہ میں مرتبۂ کل ملحوظ خاطر ہے اور زید اگر ہے، تو اس کا ایک جزو ہے یا شکل مذکور اس شرط سے زید کہتے ہیں کہ اس کو خود کے ساتھ اختصاص اور اضافت حاصل ہو اس لئے نتیجۂ مذکور حاصل نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ اس صورت میں انسان جو بظاہر یعنی لفظوں کے اعتبار سے مشترک ہے واقع میں مشترک نہیں۔ اگر واقعی اشتراک ہوتا، تو یہ معنی ہوتے کہ زید انسان ہے اور وہی انسان ایک نوع ہے اور ظاہر ہے کہ اس صورت میں خواہ مخواہ یہ کہنا پڑتا کہ زید ایک نوع ہے۔ خیر یہ تو ہو چکا، پر ناظرانِ معقولات داں کی خاطر اتنا اور عرض کیے دیتا ہوں کہ کلی طبعی جس کو کہتے ہیں، وہ کلی انقسامی ہے اور کلّی منطقی جس کو کہا کرتے ہیں، وہ کلی انعکاسی ہے اور اسی کو وہ جنس سمجھئے جس کا اطلاق قلیل وکثیر پر برابر ہوتا ہے۔ پہلی کی کلی طبعی ہونے کی اور دوسری کی کلّی منطقی ہونے کے تو یہ وجہ ہے کہ کلی طبعی معروضِ کلی منطقی ہوتی ہے اور یہ اس کے لئے

عارض ہوتی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ کلی انقسامی معروضِ شکل مخصوص ہوتی ہے اور وہ شکل عارضی ہی کلی انعکاسی ہے۔ اور جنس بمعنی مذکور ہونے کی وجہ کلّی انعکاسی میں یہ ہے کہ کلیات انعکاسیہ وہ اشکال ہیں۔ اور میں عرض کر چکا ہوں کہ وہ بذات خود نہ کلاں ہوتے ہیں، نہ کوتاہ اور اس لئے مظہر، کلاں ہو، یا کوتاہ سب میں ظاہر ہو جاتے ہیں۔

بالجملہ، اشکال کی جزئیت جب اضافت اور نسبت پر مبنی ہوئی ان کی جزئیتِ اضافات کا فیض ٹھہری تو لاریب اضافات میں کسی قسم کا تکثر اور تعدد متصور نہ ہوا۔ نہ انقسامی، نہ انطباعی۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ تکثر انطباعی اور تکثر انقسامی دونوں اسی اضافت اور نسبت پر موقوف ہیں۔ تکثر انطباعی کی تو یہ صورت ہے کہ ایک شکل کو مظاہر کثیرہ کے ساتھ اضافت اور نسبت پیدا ہو جائے اور ظاہر ہے کہ نسبت منسوب اور منسوب الیہ کے درمیان ہوتی ہے، خود منسوب یا منسوب الیہ میں نہیں۔ پھر جب شکل، منسوب اور مظاہر منسوب الیہ ٹھہرے تو لاریب نسبت، مظاہر سے ورے ہوگی، خود مظاہر میں نہ ہوگی۔ جو ان کو نسبت کے حق میں ظرفِ ظہور کہیں اور تکثر ظہور یعنی تکثر انطباعی کا احتمال ہو۔ ہاں اگر ظاہر اور مظہر اور نسبت فیما بین تینوں کے لئے اکٹھا ایک کوئی اور مظہر تجویز کیا جائے تو البتہ نسبت اور اضافت میں بھی تکثر انطباعی ممکن ہو مگر جس مظہر پر قصۂ ظہور ختم ہو جائے اور سلسلۂ مظہریت تھم ہو جائے تو اس کے ساتھ جو اس کے اشکال کو نسبت اور اضافت ہوگی وہ کسی طرح قابلِ تکثر انطباعی وانعکاسی نہ ہوگی۔ ہاں اور مظاہر اور ظواہر کے فیما بین کی نسبتوں میں بہ نسبت دوسرے مظاہر کے احتمال تکثر انعکاسی ہوگا، پر خاص ان مظاہر میں- جو کسی نسبت کے منسوب الیہ ہوں- اس نسبت کا تکثر ظہور ہرگز ممکن نہیں البتہ اس نسبت کا منسوب یعنی ان مظاہر کثیرہ میں ظہور کر سکتا ہے، پر بہ وجہ اتصالِ نسبت فیما بین منسوبِ مذکور، یعنی وہ ظاہر بھی- جو حقیقت میں ایک شکل قابلِ تکثر انطباعی ہے- اس کثرتِ ظہور سے عاجز آ جاتا ہے اس لئے نسبت مذکورہ میں یہ امتناعِ تکثر بدرجہ اولی واقدام ہوگا اور یہی ہماری غرض تھی۔ رہا تکثر انقسامی، اس کے (توقف کی) نسبتِ مذکورہ پر یہ صورت ہے، کہ مقسم اول وجود ہے اس کے بعد اس کے نیچے کے اقسام اور اقسام کے لئے مقسم ہو جاتے ہیں اور وجود کو خدا کی نسبت ایسا سمجھو، جیسے نور واسع روزانہ بہ نسبت آفتاب۔ جیسے اس کے لئے ایک مخرج اور مصدر ہے ایسے ہی وجود کے لئے بھی ایک ہی اصل ومخزن ہے۔ جیسے یہاں ایک آفتاب کا نور تمام زمین وآسمان کو منور کرتا ہے ایسے ہی ایک خدائے وحدہ لاشریک لہ کا وجود تمام کائنات کو موجود بناتا ہے۔ جیسے بہ وجہ اتحاد اصل ومخزن یہاں انفصال وافتراق اجزاء مثل انفصال وافتراق اجزائے اجسام متصور نہیں ایسے ہی وہاں بھی اس قسم کا افتراق وانفصال متصور نہیں۔ نورِ آفتاب کا عالم ظاہر ہے۔ اس کے نور کا کوئی ٹکڑا مثل اجزائے

اجسام اس طرح جدا نہیں ہو جاتا کہ اصل سے کچھ لگاؤ ہی نہ رہے۔ ابر وغیرہ اشیاء اگر بیچ میں آجاتے ہیں، تو کرۂ شعاع کی کرویت اور گولائی تو البتہ جاتی رہتی ہے اور مثل گوشہ ہائے تالاب و دریائے شور کہیں کہیں کو کونے نکل جاتے ہیں، پر جیسے تالاب کے گوشے اور دریائے شور کی خلیجیں باوجودے کہ کہیں کہیں کو نکلی ہوئی ہوتی ہیں، پر بالکل جدائی نہیں ہو جاتی اتصال جوں کا توں رہتا ہے اگر افتراق ہوتا تو باہم بعض اجزاء کو بعض اجزاء سے ہوتا کل اور اجزاء کا اتصال اسی طرح باقی رہتا ہے۔ اسی طرح اتصال وافتراقِ قطعاتِ نور میں ہوتا ہے۔ اتنا فرق ہے کہ تالاب اور دریا کے کونوں اور خلیجوں کی جدائی اصل سے ممکن ہے، پر قطعاتِ نور کی جدائی ممکن الوقوع نہیں۔

وجہ اس کی خود ظاہر ہے۔ کون نہیں جانتا کہ ذاتِ آفتاب مؤثر وعلتِ شعاع ودھوپ ہے اور دھوپ اور شعاع اس کے اثر اور معلول ہیں اور اثر اور معلول اپنے مؤثر اور علت سے جدا نہیں ہو سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ کسی کے خیال میں یہ بات نہیں آتی کہ آفتاب مثلاً غروب ہو جائے یا اس پر ابر آجائے اور دھوپ اور شعاعوں کو کوئی کسی ترکیب سے رکھ لے آفتاب کے ساتھ نہ جانے دے یا آفتاب کی طرح نہ چھپنے دے۔ اور جب یہ ارتباط ہوا تو شعاعوں کے مجموعہ سے اجزاء کا افتراق ممکن نہ ہوا ورنہ اصل آفتاب سے جدائی اور علاحدگی ممکن ہوگی۔ اور چوں کہ آفتاب کروی الشکل اور مرکز سے لے کر محیط تک مخزنِ نور اور اصلِ نور اور علتِ نور ہے تو یہ بات بھی ممکن نہیں ہو سکتی کہ آفتاب کے کسی ٹکڑے کے مقابل نور نہ ہو۔ یا سطح آفتاب سے لے کر انتہائے شعاع تک کوئی ایسا زاویۂ ظلمانی ہو جس کا راس محیطِ آفتاب پر ہو اور اس میں اوپر سے لے کر نیچے تک شعاعوں اور نور کا نام نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ سوائے کسوف آج تک یہ اتفاق کبھی کسی کو نہ ہوا ہوگا کہ آفتاب کو بایں کیفیت دیکھے۔

غرض، آفتاب کا بجمیع اجزائه علت ومنشا ومصدرِ نور ہونا بہ وجہ کرویت اس بات کو مقتضی ہے کہ ہر طرف برابر افاضۂ نور ہو اور وہ تساوی جہات- جو اصل کرویت ہے- یہاں بھی ملحوظ رہے ہر طرف خطوط شعاعیّہ مرکز کی سیدھ میں علی الاستقامت آخر تک چلے جائیں، اگر منتہا سے پہلے کوئی روکنے والا سامنے آجائے تو جیسے خلخلی مشک کا پانی اگر ایک طرف سے دباتے ہیں تو دوسری طرف کو ہو جاتا ہے۔ اسی طرح نور مذکور دوسری طرف کو اور بڑھ جائے۔ مگر جو رابطہ آفتاب ونورِ مذکور میں ہے اس سے زیادہ ارتباط ذاتِ باری اور وجود میں ہے کیوں کہ آفتاب کی علیت تو مجازی ہی ہے۔ آخر علت اصلی تمام حوادث کی وہی ایک خداوند عالم ہے اور سب علتیں اس کے سامنے ایسی ہیں جیسے آفتاب کے آگے قمر وکواکب وآئینۂ قلعی دار وآتشیں شیشہ ہے۔ چناں چہ ابتدائے رسالہ ہذا میں یہ مضامین بخوبی آشکارا ہو چکے ہیں۔ اور خدا تعالیٰ کی

علیت ہر طرح سے حقیقی اور تحقیقی ہے ورنہ خدا تعالیٰ سے اوپر اور کوئی مفیض اور علت اور مصدر اور اصل ہو۔ مگر یہ ہو تو پھر خدا کی خدائی برائے نام رہ جائے۔ اصلی خدائی اسی کا حصّہ ہو، جو اس سے بھی اوپر ہو۔ پھر چوں کہ ذاتِ خداوندی بتامہ علت نور ہے یعنی بہ وجہ یکتائی یہ کہہ ہی نہیں سکتے کہ کچھ ہو، کچھ نہ ہو کیوں کہ یہ بات بجز تعدد و ترکیب ممکن ہی نہیں۔ ادھر جس طرف سے دیکھئے خدا تعالیٰ کے کمالات میں لاتناہی۔ اول تو کمالات کی کوئی حد نہیں، پھر ہر کمال میں یہ بات کہ غیر متناہی چیزوں سے متعلق ہو سکتا ہے۔ نہ اس کی معلومات کی کچھ انتہا، نہ اس کی مقدورات کا کچھ اختتام تو بایں وجہ کہ وہی شانِ تساوی جمیع جہات۔ جو اصل کرویت ہے- یہاں بھی پائی گئی تو اس کا وہ بتامہ علت ہونا اس بات کو مقتضی ہے کہ ہر طرف میں برابر افاضۂ وجود ہو۔ اگر فرق ہو تو یہ ہو کہ جیسے نورِ آفتاب ہر طرف سے یکساں ہے۔ پر آئینہ بہ وجہ مزید قابلیت پتھر سے زیادہ نور کو لے لیتا ہے، ایسے ہی یہاں بھی بہ وجہ حسنِ قابلیت بعض کائنات زیادہ وجود کو اپنے آغوشِ احاطہ حقیقت میں لے لیں۔ بالجملہ، علیتِ خداوندی بہ نسبتِ وجود اس بات کو مقتضی ہے کہ حصصِ وجود میں بھی مثل قطعاتِ نورِ آفتاب تفرق وانفصال مثل تفرق وانفصالِ اجزائے اجسام نہ ہو۔ ہاں جیسے نور کے گوشے نیچے سے جدے جدے معلوم ہوتے ہیں مگر اوپر سے سب میں اتصال ہوتا ہے، ایسے ہی ماہیات کی طرف سے وجود کے ٹکڑے جدے جدے معلوم ہوتے ہیں، پر اوپر کی طرف سب میں اتصال ہے۔

غرض، اتصالِ حصصِ وجود اصلی ہے جیسے اجزائے نور میں افتراق مثل افتراقِ اجزائے اجسام متصور نہیں، ایسے ہی وجود کے حصّوں میں بھی وہ افتراق متصوّر نہیں۔ ہاں جیسے دیوار واشجار، کہسار کے بیچ میں آجانے سے- یا درصورتِ وجودِ بُعدِ مجرد اجسام کے انفصال سے- انوار اور قطعاتِ بعد میں تفرق اور انفصال آجاتا ہے ایسے ہی یہاں بھی ماہیاتِ متبائنہ کے مستفیض اور مستفید ہونے سے وجود کے حصّے جدے جدے معلوم ہونے لگتے ہیں۔ غرض، جیسے اجزائے اجسام، بعد میں بغیر لحاظِ تفرقِ خارجی، تفرق متصوّر رہے، ایسی طرح بے لحاظِ تفرقِ خارجی، وجود کے حصّوں میں تفرق متصور نہیں۔ ہاں جیسے قطعاتِ بعد اور تقطیعات نور کا تفرق بے لحاظِ تفرقِ خارجی تصور میں نہیں آتا اور اس لئے تفرق کے لئے بعد وانوار میں اور اشیائے متفرقہ کی ضرورت پڑتی ہے، ایسے ہی بے لحاظِ تفرقِ خارجی حصص وجود کا تفرق تصور میں نہیں آتا اور اس لئے تفرق کے لئے وجود میں ماہیاتِ متفرقہ یعنی متبائنہ کی ضرورت پڑتی ہے۔ مگر جیسے بُعد وانوار کے تفرق میں اشیائے متفرقہ کی مداخلت بایں طور ہوتی ہے کہ اجسامِ متفرقہ انوار یا بعدِ مجرد سے مستفید ہو کر یعنی منور اور ذو بُعد ہو کر باعثِ احساسِ تفرقِ انوار وابعاد ہو جاتے ہیں، ایسے ہی ماہیاتِ متبائنہ وجود سے مستفاد ہو کر یعنی موجود ہو کر باعثِ احساس تفرقِ وجودات ہو جاتے ہیں۔

غرض، طرفین سے افادہ اور استفادہ ہوتا ہے۔ اُدھر سے افادۂ نورانیت وامتدادِ بُعد و وجود ہوتا ہے اور اِدھر سے ان امور کا استفادہ۔ اور اِدھر سے تفرق کا افادہ ہوتا ہے اور اُدھر سے استفادہ۔ غرض صورتِ تفرقِ حصص وجودِ ماہتابِ متبائنہ کا متصف بالوجود ہو جانا ہے اور ظاہر ہے کہ اوصاف کے ساتھ اتصاف، بے نسبت متصور نہیں کیوں کہ کوئی چیز کسی وصف کے ساتھ موصوف ہوتی ہے تو یوں کہہ سکتے ہیں کہ یہ شئی یہ وصف رکھتی ہے، یا اس وصف کے ساتھ موصوف ہے۔ مثلاً زید موصوف بالوجود ہے تو یوں کہہ سکتے ہیں کہ زید موجود ہے۔ اور موصوف بالقیام ہے تو یوں کہہ سکتے ہیں کہ زید قائم ہے۔ اور ظاہر ہے کہ سب اقوال جملے ہیں اور جملہ بے نسبت نہیں ہوتا۔ اس لئے انقسامِ وجود- جو سب میں پہلا مقسم ہے- بے نسبت متصور نہیں اور سوا اس کے اور جتنے مقسم ہیں وہ سب وجود کے اقسام ہیں ان کی تقسیم بھی اسی طرح ہوگی۔ کیوں کہ اتصالِ مشار الیہ بہ وجہ اصلیت وذاتیت اقسام وجود میں بھی بجنسہ باقی رہے گا اور اس وجہ سے تفرق کے لئے- جو تقسیم کو لازم ہے- امورِ زائدہ متفرقہ کی ضرورت رہے گی۔

القصّہ مدارِ تقسیم، وجود وجودیاتِ اتصاف ہے جو بے نسبت متصور نہیں اس لئے مثل انطباع وانعکاس، انقسام میں بھی نسبت ہی کی ضرورت ہوگی۔ اس لئے مثل انعکاسِ انقسام میں لبھی نسبت بین القسم والمقسم ہوگی، خود مقسم کی طرف نہ ہوگی، جو قابلِ تقسیم ہو۔

غرض، نسبت آلۂ تقسیم ہے اور ظاہر ہے کہ آلۂ تقسیم اور ہوتا ہے اور مقسم اور ہوتا ہے اور تکثر انقسامی مقسم پر آتا ہے، آلہ پر نہیں آتا۔ ہاں نسبت سوائے حیثیت انتساب کے اگر مقسم بن جائے تو ممکن ہے کیوں کہ اس صورت میں آلہ ہونے کی حیثیت ہی اس میں نہ رہے گی، یہ حیثیت تو حیثیتِ انتساب کے ساتھ ساتھ ہے چناں چہ خوب روشن ہو گیا اور خط وسطح کا انقسام اس بات پر شاہد ہے۔ وجہ شہادت یہ ہے کہ خط وسطح دونوں موجوداتِ اضافیہ اور مفہومات اضافیہ میں سے ہیں اضافت ونسبت کی حقیقت میں اس سے زیادہ اور کیا ہوتا ہے کہ اس کا وجود اور دو کے وجود پر موقوف ہو اس کا تصور اور دو کے تصور پر موقوف ہو؟ سو دیکھ لیجئے سطح میں بھی یہ بات موجود ہے اور خط میں بھی یہ بات موجود ہے۔ سطح اگر انتہائے جسم کا نام ہے تو انتہائے جسم بے اس کے سمجھ میں نہیں آتا کہ یہاں تک ہے، اس سے آگے نہیں۔

غرض، جسم اور اس کے آگے کے ملتقی کا نام سطح ہے اور ظاہر ہے کہ ملتقی کا وجود اور تصور دونوں ملاقاتیوں کے وجود اور تصویر پر موقوف ہے۔ علی ہذا القیاس خط کو خیال فرمائیے۔ مگر اس کے ساتھ یہ بات بھی ظاہر ہے کہ جس طرف سے سطح وخط ملتقائے باہمی ہیں اس طرف سے ملتقی مذکور کی تقسیم بھی محال ہے اور جس طرف سے سطح وخط قابل تقسیم ہیں اس طرف سے کسی کی ملتقی نہیں۔ اور اس تقریر سے یہ بھی معلوم

ہو گیا کہ اشکال قابل تقسیم کیوں نہیں ہوتے؟ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ اشکال خود از قسمِ اضافات ونسب ہوتی ہیں چناں چہ مجسمات کے اشکال مثلاً وہ سطوح ہیں۔ اور سطوح کی اشکال وہ خطوط ہیں جن کا از قسم اضافات ونسبت ہونا ابھی واضح ہوا اور یہی وجہ ہے کہ اضافات واشکال میں باہم ارتباط ہے یعنی اضافتیں اور نسبتیں اشکال ہی کے ساتھ متعلق ہوتی ہیں، ذو شکل کے ساتھ متعلق نہیں ہوتیں۔

الغرض، جیسا سنا ہوگا کسی کا قول ہے ؎

کند ہم جنس با ہم جنس پرواز ☆ کبوتر با کبوتر باز با باز

ایسا ہی یہاں بھی تجانس ضرور ہے۔ مگر جیسا آدمی سے آدمی پیدا ہوتا ہے ایسے ہی نسبتوں سے نسبتیں پیدا ہوتی ہیں۔ اگر کسی کے بیٹے کے بیٹا پیدا ہو تو پھر وہ بیٹا باپ کہلاتا ہے اور اس حیثیت سے اس کو بیٹا نہیں کہہ سکتے جیسا کہ اس حیثیت سے کہ وہ کسی اور سے پیدا ہوتا ہے، بیٹا تھا اور اس حیثیت سے اس کو باپ نہیں کہہ سکتے۔ ایسا ہی اگر کسی نسبت سے اور کوئی نسبت پیدا ہو تو پھر نسبت اول، طرفِ نسبت یعنی منسوب الیہ یا منسوب ہو جائے گی اور نسبت نہ کہلائے گی اور بایں اعتبار کہ طرفِ نسبت ہے قابلیتِ انقسام اس میں آجائے گی اور بایں اعتبار کہ وہ نسبت تھی ہرگز موردِ انقسام نہ ہو سکے گی۔ اس لئے مثل سطح وخط کہ قطعِ نظر اعتبار انتہائے مشار الیہ سے جو اصل سطح وخط ہے اور طرح سے دیکھئے تو لاریب سطح وخط قابلِ انقسام ہیں۔ وجہ یہی ہے کہ اس وقت سطح وخط خود نسبت نہیں رہتی، منسوب الیہ یا منسوب بن جاتے ہیں۔ مگر ہماری غرض اس تطویل سے یہ ہے کہ نسبت باعتبار اصل قابل انقسام نہیں اس لئے نسبت میں اس کی نسبت ہونے کے وقت ہرگز انقسام نہ ہوگا۔ علی ہذا القیاس نسبت باعتبار اصل ہرگز قابل انطباع وانعکاس نہیں کیوں کہ اس اعتبار سے وہ آلۂ ظہور ہے، خود ظاہر نہیں۔ آلۂ انعکاس ہے، خود منعکس نہیں۔ آلۂ انطباع ہے، خود منطبع نہیں۔ چناں چہ ظاہر ہے۔ اب جب نسبت باعتبار انتساب قابل انقسام وانطباع نہ ہوئی تو پھر نسبت میں دونوں قسم کا تکثر باعتبار انتساب متصور نہ ہوگا۔ نہ تکثر انقسامی، نہ تکثر انطباعی، جسے تکثر انعکاسی اور تکثر ظہور بھی کہیں، تو بجا ہے؛ بلکہ خود جزئیتِ انعکاسی اور انقسامی کا مدار اسی نسبت پر ہے۔ جزئی انعکاسی میں کسی مظہرِ معین اور خاص کے ساتھ کلی انعکاسی یعنی کسی قسم کی حد اور شکل کو اختصاص حاصل ہوتا ہے اور اسی کو جزئیتِ انعکاسی کہتے ہیں۔ اور جزئی انقسامی میں کلی انقسامی یعنی مقسم اور کل کو کسی خاص ماہیت یعنی خاص شکل کے ساتھ اختصاص حاصل ہو جاتا ہے اور اسی کو جزئیت انقسامی کہتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ اس اختصاص میں بجز نسبت اور کیا ہوتا ہے؟ اور اس تقریر سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ جزئیتِ انقسامی اور جزئیتِ انطباعی دونوں ساتھ ساتھ رہتی ہیں۔ کلی انقسامی یعنی مقسم اور کلی انطباعی یعنی شکل جو ہماری اصطلاح میں ماہیت کہلاتی ہے

۔ جب دونوں ملتی ہیں تو دونوں اپنی اپنی طرح کی جزئی ہوجاتی ہیں۔کلی انقسامی اس ملاقات کے باعث جزئی انقسامی بن جاتی ہےاورکلی انطباعی اس اتصال کے سبب جزئی انطباعی بن جاتی ہے۔مگراصل منشا اس کا وہی نسبتِ فیما بین ہے۔اس لئے نسبت میں دونوں طرح کا تکثر اور تعدد نہ ہوگا؛ بلکہ جزئی اصلی وہی نسبت سمجھی جائے گی۔اور باقی جزئیات بہ وجہ فیض نسبت جزئی کہلائیں گی۔

جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ نسبت میں دونوں قسم کا تکثر ممکن نہیں،تو لا جرم نسبتِ اولی یعنی اس نسبت کے لئے۔ جوسب میں پہلے وجود میں آئی ہوگی۔ایک طرف ایسی چیز ہوگی، جو قابلِ تکثر انقسامی ہواور قابل تکثر انطباعی نہ ہو۔اور ایک طرف ایسی چیز ہوگی، جو قابل تکثر انطباعی ہواور قابلِ تکثر انقسامی نہ ہو۔مگر بایں وجہ کہ طرفین یعنی منسوب ومنسوب الیہ میں سے ایک میں ایک نہیں اور ایک میں ایک نہیں،تو نسبت میں دونوں نہ ہوں گے۔

نسبت میں دونوں تکثروں کے ہونے نہ ہونے کی وجہ تو مفصل معلوم ہوگئی۔ پر یہ بات قابلِ استفسار ہے کہ دونوں باتیں کیوں ہوں گی اور کیوں نہ ہوں گی؟ اس لئے یہ گذارش ہے کہ نسبت کا وجودان دونوں کے وجود پر موقوف ہے۔نسبت کے وجود کی اصل وہی دونوں ہوتے ہیں۔ان ہی کے وجود سے نسبت کا وجود ہوتا ہے۔اس لئے جو بات وہاں ہوگی، یہاں ضروری ہوگی۔اور یہ ایسی بات ہے جیسے خطِ فاصل بین النور والظلمت میں باوجود عدمِ انقسام ایک طرف نور ہے،تو ایک طرف ظلمت ہےاور یہ کیوں؟ اس لئے ہے کہ اس کا وجود،نور اور ظلمت کے وجود سے نکلا ہے۔مگر چوں کہ بہ لحاظِ نسبت نہ تکثر انطباعی کی گنجائش ہوتی ہے،نہ تکثرِ انقسامی کی وسعت،تو اخیر نسبت میں دونوں۔(۱)

---

(۱) بحیثیت نسبت تمام جملے برابر ہوتے ہیں خواہ چھوٹے ہوں یا بڑے،اس لئے اضافت قابل تقسیم نہیں ہوا کرتی،اگر اضافت کو قابل تقسیم مانا جائے تو اضافات اور نسبتیں جس چیز سے متعلق ہوتی ہیں وہ بھی قابل تقسیم ہوں گی،حالاں کہ اضافات اور نسبتوں کے بعد جملوں کی شکلیں ہوتی ہیں اور شکلیں قابل تقسیم نہیں ہوتیں۔مثلاً آئینے اگر کئی ہوں اور ان آئینوں کے سامنے زید کی شکل ایک ہی ہو جو سب آئینوں میں نظر آتی ہے تو آئینوں کے تعدد سے شکل میں تعدد نہیں ہوتا بلکہ زید کی جو شکل ایک آئینہ میں ہے بعینہ دوسرے آئینہ میں بھی ہے۔خلاصہ یہ ہے کہ اشکال میں وحدت ذاتی ہوتی ہے پر مظاہرہ کثیرہ میں ان کا ظہور ہوتا ہے۔اس کثرت ظہور ہی کا نام ''کلیت اشکال'' ہے۔اسی طرح وجود باری تعالیٰ کا عکس مخلوقات میں ہے،مگر مخلوقات جو مظاہر ہیں ان کے تعدد سے ظاہر یعنی وجود باری میں تعدد نہیں یا جیسے آفتاب کا اپنے تمام اجزاء کے ساتھ علت ومنشا اور مصدر نور ہونا اس کے گول ہونے کی وجہ سے اس بات کا مقتضی ہے کہ ہر طرف افاضہ نور ہو اور وہ تمام جہات میں مساوی ہو جو کہ کرویت کی اصل ہے۔مگر کائنات پر اس کی ضوء افشانی کے تعدد سے اصل آفتاب میں تعدد نہیں۔

مقالات و مضامین

قسط (۱)

مسئلہ فلسطین اور سلطان عبدالحمید ثانی

مولانا عتیق احمد بستوی ❖

جو بات بار بار کہی جائے دنیا اس پر یقین کر لیتی ہے، انسان کی اس فطرت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بعض قوموں اور افراد نے یہ اصول بنالیا ہے کہ اپنا مقصد حاصل کرنے کے لئے جھوٹ اس قدر زور و شور اور تسلسل کے ساتھ بولو کہ اسے سچ سمجھ لیں۔ تاریخ عالم میں ایسا بہت ہوا کہ پروپیگنڈوں اور افواہوں کے ذریعہ سچ کو جھوٹ، جھوٹ کو سچ، اچھے کو برا اور برے کو اچھا ثابت کیا گیا، تاریخ ساز قدآور شخصیتوں کو نظر انداز بلکہ بدنام کیا گیا اور غدار، ملت فروش افراد کے سروں پر قیادت، سیادت، فضل وکمال کا تاج سجایا گیا لیکن حقیقت وصداقت کبھی نہ کبھی کذب بیانی اور پروپیگنڈہ کا گرد وغبار دور کر کے اپنا تابناک چہرہ دکھاتی ہے۔ صداقت کی چمک دمک، ضیا پاشی کے سامنے کذب وتزویر کے تمام سیاہ دبیز پردے تار تار ہو جاتے ہیں۔

انیسویں، بیسیوں صدی کو اپنی علمی ترقیات، معروضی مطالعہ، سائنٹفک بحث واستدلال پر ناز ہے، لیکن یہ واقعہ ہے کہ ان دو صدیوں کا دامن علمی خیانت، تاریخی بددیانتی، بے انصافی اور بے بنیاد پروپیگنڈہ سے سب سے زیادہ داغدار ہے۔ ان دو صدیوں میں دوسرے علوم وفنون کی طرح تاریخ نویسی کا جھنڈا بھی یورپ کے عیسائی اور یہودی مؤرخین کے ہاتھوں میں تھا، ان لوگوں نے اپنے ذوق ومزاج، پسند ناپسند، دوستی دشمنی کے مطابق تمام شخصیات، تحریکات، حکومتوں کی تصویریں اتاریں، معروضی مطالعہ غیر جانبدرانہ بحث وتحقیق کے نام پر دنیا کی پوری تاریخ اپنے نقطۂ نظر سے مرتب کی، ایشیا وافریقہ کی تاریخ پلٹ کر کے رکھ دی، عالم اسلام اور مسلم حکمرانوں کی قابل نفرت اور گھناؤنی تصویر پیش کی۔

ترکوں کے ساتھ ناانصافی

تاریخ نویسی کی بدترین مثال، وہ کتابیں اور مقالات ہیں جو اکثر یورپی مؤرخین اور ان کے

❖ استاذ حدیث وناظم مجلس تحقیقات شرعیہ، ندوۃ العلماء، لکھنو

مغرب زدہ نیاز مند شاگردوں نے سلطنت عثمانیہ اور سلاطین عثمانیہ کے بارے میں مرتب کی ہیں۔ مغربی ممالک کے باشندے صدیوں سے سلاطین عثمانیہ سے خار کھائے بیٹھے تھے۔ کیوں کہ سلطنت عثمانیہ صدیوں تک مغربی استعمار اور توسیع پسندی کی راہ میں سد سکندری بنی رہی، اس نے کم وبیش چار سو سال تک ممالک عربیہ اسلامیہ کو عیسائیوں کے لئے لقمۂ تر بننے سے محفوظ رکھا۔ سلاطین عثمانیہ نے اسی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ یورپ کے ایک بڑے حصے پر اسلامی پرچم لہرایا، ان کی ہمت وشجاعت اور جذبۂ جہاد کے سامنے عیسائیت کے جھنڈے سرنگوں ہوتے رہے۔ آخر کار قسطنطنیہ کو فتح کر کے اسلامی قلمرو میں شامل کیا اور نبی اکرم ﷺ کی پیشین گوئی کو پورا کر دکھایا۔

قسطنطنیہ آٹھ سو سال تک اسلامی سیلاب کے مقابلے میں عیسائیوں کی پناہ گاہ تھا اور مسلمانوں کے لئے ناقابل تسخیر بنا ہوا تھا، فتح قسطنطنیہ سے عیسائیوں کے دلوں پر ایسا گہرا اور کاری زخم لگا جو کبھی مندمل نہیں ہوا اور اس کی کسک عیسائی ہمیشہ محسوس کرتے رہے۔ دولت عثمانیہ کے اس حریفانہ مقام کی وجہ سے اکثر یورپی مؤرخین سلطنت عثمانیہ کے ساتھ انصاف نہیں کرسکے اور برابر عثمانیوں پر مشق ستم وقلم کرتے رہے۔ موقعہ بے موقعہ خلافت عثمانیہ کی نیک نامی اور شہرت کو ختم کرنے کے لئے بے جا الزامات بے بنیاد اتہامات کے تیر چلاتے رہے۔ آخری دو صدیوں میں ایک طرف مغربی ممالک کی فوجیں ترکان عثمانی سے مصروف پیکار تھیں، دوسری طرف مغرب کی پروپیگنڈہ مشنری اور مورخین کی ٹیم سلطنت عثمانیہ کی درخشاں تاریخ کو ملیامیٹ کرنے اور داغدار بنانے میں منہمک تھی۔ پریس اور پروپیگنڈہ کے ذرائع مغربی استعمار کی مٹھی میں تھے، اس لئے تمام انسانوں کے ذہنوں پر ترکی خلافت کی وہی تصویر نقش ہوگئی جو یورپ نے پیش کی۔

مولانا ابوالکلام آزادؒ لکھتے ہیں:

''ہم کو معلوم ہے کہ مسلمانوں کی تمام حکمراں جماعتوں میں ترکوں ہی کی جماعت وہ بدقسمت جماعت ہے جس کے لئے یورپین دماغ منصف نہیں ہوسکتا، یورپ کا پچھلا مؤرخ ہو، خواہ موجودہ عہد کا مدبر، وہ گزشتہ عہد کے بدتر سے بدتر مسلمانوں کی مدح وتوصیف کرسکتا ہے جواب موجود نہیں ہیں، لیکن ان ترکوں کی نہیں کرسکتا، جن کی تلواریں پانچ صدیوں سے یورپ کے دل وجگر میں پیوست ہونے کے لئے چمکتی رہی ہیں۔ وہ خلافت بنوامیہ کی ایک بہتر تاریخ لکھ سکتا ہے، عباسیہ کے دور علم وتمدن کی مدح سرائی کر سکتا ہے، صلاح الدین ایوبی تک کو ایک بت کی طرح پوج سکتا ہے، لیکن وہ ان ترکوں کے لئے کیوں کر انصاف کرسکتا ہے جو نہ تو عرب پر قانع ہوئے نہ ایران وعراق پر، نہ شام وفلسطین کی حکومت انہیں خوش کرسکی، نہ وسط ایشیاء کی بلکہ تمام مشرق سے بے پروا ہو کر یورپ کی طرف بڑھے، اس کے عین قلب

(قسطنطنیہ) کو مسخر کرلیا اور اس کی اندرونی آبادیوں تک سمندر کی موجوں کی طرح در آئے، حتی کہ دارالحکومت اسٹریا کی دیواریں ان کے جولان قدم کی ترکتازیوں سے بارہا گرتے گرتے بچ گئیں۔

ترکوں کا یہ وہ جرم ہے جو یورپ کبھی معاف نہیں کرسکتا، مسلمانوں کا کوئی موجودہ حکمراں خاندان اس جرم (فتح یورپ) میں ان کا شریک نہیں ہے، اس لئے ہر حکمراں مسلمان اچھا تھا جو یورپ کی طرف متوجہ نہ ہوسکا، مگر ہر ترک وحشی وخونخوار ہے، اس لئے کہ یورپ کا طلسم سطوت اس کی شمشیر بے پناہ سے ٹوٹ گیا۔"(۱)

روشنی کی کرن

لیکن جوں جوں مغرب کی سیاسی گرفت ڈھیلی پڑی پروپیگنڈہ کا جادو ختم ہوتا گیا اور بالآخر تاریخی حقائق کذب بیانیوں کا پردہ چاک کرتے ہوئے منظر عام پر نمودار ہوئے۔عرب وترک مؤرخین نے ان دو صدیوں کے تاریخی وثائق کو چھان مارا اوران کی مدد سے سلطنت عثمانیہ کی اصل درخشاں تاریخ سامنے آئی، جس پر اسلامی تاریخ ناز کرسکتی ہے، اس مہم کو سر کرنے میں علامہ شکیب ارسلان (۲)، محمد جلال کشک (۳) انور الجندی (۴) محمد حرب عبدالحمید (۵)، محمد احمد راشد (۶)، جنرل فواد رفعت آتلخان (۷)، ڈاکٹر عجل نسمی (۸)، حسان خلاق (۹)، موفق بن المرجۃ (۱۰) کا نمایاں حصہ ہے۔

جائزہ لینے کی ضرورت

اردو کے جن مصنفین نے اس موضوع پر تحقیق، کاوش، عرق ریزی کی ہے، ان کی خدمات کو سراہتے ہوئے یہ عرض کرنے کی جرأت کروں گا کہ اردو زبان میں اس موضوع پر جن حضرات نے داد تحقیق دی ہے انہوں نے زیادہ تر مغربی مؤرخین کی کتابوں پر اعتماد کیا۔عرب وترک مؤرخین کی نئی کتابیں ان کے مصادر وماخذ کی فہرست میں نظر نہیں آتیں۔اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بیشتر اردو کتابیں مغربی مورخین کی کتابوں کا چربہ بن کر رہ گئیں۔اب ضروری ہے کہ ہم تاریخ کے اس اہم حصہ پر نظر ثانی کریں اور جدید تحقیقات و انکشافات کی روشنی میں جائزہ لیں کہ اب تک اس موضوع پر جو کام ہو چکا ہے اس میں کیا نقائص اور خامیاں

---

(۱) مسئلہ خلافت اور جزیرۃ العرب: ابوالکلام آزاد، ص:۱۲۱

(۲) حاضر العالم الاسلامی (۳) القومیة والغزو الفکری (۴) المخططات التلمودیة الیهودیة الصهیونیة. الیقظة الاسلامیة فی مواجهة الاستعمار (۵) مذکرات السلطان عبدالحمید الثانی (۶) المجتمع وغیرہ میں مقالات (۷) اسرار الماسونیة، الدولة الخفیة وغیرہ (۸) مختلف مقالات (۹) موقف الدولة العثمانیة من الحرکة الصهیونیة ۱۸۹۷-۱۹۰۹ء (۱۰) الجامعة الاسلامیه والسلطان عبدالحمید الثانی.

ہیں، اس سلسلے میں ان خفیہ تنظیموں کا گہرا مطالعہ بہت ضرری ہے، جنہیں یہود نے یہودی حکومت کے قیام اور عالم اسلامی بلکہ عالم انسانی کو تباہ کرنے کے لئے بڑی ذہانت اور چالاکی سے قائم کیا اور پروان چڑھایا، مثلاً صیہونیت، ماسونیت، ان تنظیموں نے تاریخ کا رخ موڑنے اور دنیا کا نیا جغرافیہ مرتب کرنے میں بنیادی کردار ادا کیا ہے۔ اسی طرح ان دوصدیوں میں عرب ممالک اور ترکی میں مختلف مقامات پر جو سیاسی و اصلاحی، مذہبی تحریکات برپا ہوئیں، ان کا گہرائی اور دقت نظر سے مطالعہ بہت ضروری ہے۔

مظلوم خلیفہ

مختلف اسباب کی بنا پر مغربی مؤرخین نے سلطان عبدالحمید ثانی کو خاص طور سے پروپیگنڈہ کا نشانہ بنایا، سلطان پر سیکڑوں بے بنیاد الزامات عائد کئے گئے، طعن وتشنیع کی ڈکشنری میں کوئی ایسا لفظ نہ ہوگا جسے یورپی اور یہودی مؤرخین نے سلطان کے لئے استعمال نہ کیا ہو، سلطان کا واحد جرم یہ تھا کہ اس کا دل اسلامی غیرت وحمیت سے معمور تھا، اس نے مغربی طاقتوں خصوصاً برطانیہ کا آلۂ کار بننے سے انکار کردیا اور یورپ کی سیاست اور چالوں کا جواب گہری سیاست سے دیا۔ سرزمین فلسطین کو بڑی رقم کے عوض یہودیوں کے ہاتھ فروخت کرنے سے صاف انکار کردیا۔

سلطان عبدالحمید ثانی کی سیاست اور فلسطین کے بارے میں اس کا موقف مغربی ممالک اور یہودیوں کو پسند نہیں آیا اور انہوں نے گہری سازش، منظّم منصوبہ کے تحت سلطان کو تخت خلافت سے اتار کر سالونیکا کی جیل میں زندگی کے آخری چند سال گزارنے پر مجبور کردیا اور پروپیگنڈہ کرکے سلطان عبدالحمید ثانی کی بہت گھناؤنی تصویر دینا کے سامنے پیش کی۔ سلطان عبدالحمید ثانی نے اپنی ڈائری میں جو شائع ہوچکی ہے تمام سازشوں اور منصوبوں کا پردہ چاک کیا ہے۔ اس مضمون میں ہم مسئلہ فلسطین کے متعلق سلطان عبدالحمید ثانی کے اسلامی اور ایمانی موقف پر تفصیل سے روشنی ڈالیں گے۔ سلطان کی زندگی سیاست، خدمات کے مختلف پہلوؤں پر ان شاء اللہ آئندہ لکھا جائے گا۔ (جاری)

(پہلی قسط)

دینی مدارس کے لئے ’’لسان قوم‘‘ کی اہمیت

(وما ارسلنا من رسول الا بلسان قومه)

پروفیسر محسن عثمانی ندوی ❖

مستقبل کی صحیح منصوبہ بندی ضروری ہے لیکن اس سے پہلے ضروری ہے کہ ہم اپنی غلطیوں کو سمجھیں، اگر ہم اپنی غلطیوں کو نہیں جانیں گے تو صحیح منصوبہ بندی نہیں کرسکیں گے۔ غلطی کو چند لفظوں میں بیان کریں تو ہم کہیں گے کہ اسلام جو ایک دعوتی مشن تھا اس کی گاڑی پٹری سے اتر گئی۔ یہاں کوئی شخص پوچھ سکتا ہے کہ گذشتہ صدیوں میں جو اسلامی خدمات انجام دی گئیں، وہ آخر کیا تھیں؟ کیا ان کا تعلق دعوتی مشن سے نہیں تھا؟ ذیل کی چند سطروں میں علمائے دین کی ان خدمات کا ذکر کیا جارہا ہے جو ہماری تاریخ کا جلی عنوان ہیں۔

بلاشبہ ہندوستان مسلمانوں کی دعوتی تجدیدی اور اصلاحی کوششوں کا مرکز رہا ہے۔ ہندوستان کی اسلامی تاریخ کے ابتدائی دور میں کاروانِ اہلِ دل نے اسلام کی اشاعت کا کام کیا اور ہزاروں لوگ دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے۔ مسلم سلاطین کی سرپرستی میں یہ ملک مسلمانوں کے لئے گلشنِ بے خار بن گیا۔ یہ داستانِ فصل گل راقم سطور نے اپنی کتاب ’’دعوت اسلام، اقوام عالم اور برادرانِ وطن کے درمیان‘‘ میں بڑی خوش دلی اور فرحت وانبساط کے ساتھ بیان کی ہے۔ ہندوستان میں مشائخ روحانی اور علمائے ربانی کے ذریعہ اور ان سے پہلے مسلمان تاجروں کے ذریعہ یہ کام انجام پایا۔ ایک عرصہ کے بعد علمائے دین نے محسوس کیا کہ ہندوستان کے قدیم مذاہب اور تہذیبوں کے خیالات وعادات بھی مسلمانوں پر اثر انداز ہورہے ہیں۔ اس لئے دعوتی اور تبلیغی کام کا رخ حفاظت دین اور تطہیر عقائد، ردّ بدعات واصلاح رسوم کی طرف مڑگیا۔ یعنی اب دفاعی نوعیت کے کام کی طرف مسلمان علماء متوجہ ہوگئے، دعوتی کام یا اقدامی نوعیت کا کام پس پشت چلا گیا۔ اُس وقت سے لے کر اب تک بہ حیثیت مجموعی مسلم علماء اور قائدین کے کام کا رخ یہی رہا ہے، یعنی اشاعت دین کے بجائے صرف حفاظت دین۔ بعد میں سیاسی تحریکیں بھی مسلمانوں میں اٹھیں لیکن برادرانِ وطن کے درمیان دعوتی فکر کا زمانہ واپس ہی نہیں آیا۔ صورت بایں جارسید کہ دیوی

❖ سابق پروفیسر جے این یو، دہلی

دیوتاؤں کی کثرت اوران کی عبادت اورشرک کے طوفان کو دیکھ کر بھی اہل دین میں وہ بے چینی پیدا نہیں ہوئی جو ہونی چاہئے اور جو پیغمبروں کو ہوتی تھی اور جس کا ذکر بار بار قرآن میں پیغمبروں کے تذکرے میں آیا ہے اور آخری پیغمبر حضرت محمد ﷺ کو خطاب کر کے کہا گیا ہے کہ کیا آپ ان (مشرکوں) کے ایمان نہ لانے سے خود کو ہلاک کرڈالیں گے۔ انسان اگر بت پرستی اور شرک کے خلاف فوراً عملی دعوتی اقدام نہ کر سکے، یہ بات قابل معافی ہے لیکن شرک کی گرم بازاری کو دیکھ کر دل کی بے چینی کا نہ ہونا اور صرف مسلمانوں کے درمیان اصلاحی کام پر مطمئن ہوجانا اوراسی کو دعوت سمجھ لینا ایمان کے کمزور ہوجانے کی علامت ہے۔ دل کی بے چینی اگر ہوگی تو انسان سوچے گا اور کام کا منصوبہ بنائے گا لیکن شرک کے طوفان اور کفر کے سیلاب کو دیکھ کر کوئی پریشانی دل کو نہ ہو یہ ایمان کی صحت مندی کی علامت نہیں اور یہ انبیائی مزاج نہیں ہے۔قرآن میں انبیائی مشن کا ذکر بار بار آیا ہے مشرکین کے درمیان ہر پیغمبر کا مرکزی موضوع گفتگو کیا ہوتا ہے اس پر غور کیجئے، مثال کے طور پران آیات کوتفکر کا موضوع بنایئے اورشرک کے ماحول میں پیغمبر کا مشن متعین کیجئے:

۱ . كان الناس امة واحدة فبعث الله النبيين مبشرين ومنذرين. (۱)

تمام لوگ ایک دین پر تھے تو اللہ نے انبیاء بھیجے خوشخبری دیتے ہوئے اورڈر سناتے ہوئے

۲ . ان الله ربى وربكم فاعبدوه هذا صراط مستقيم (۲)

بیشک اللہ ہی میرارب اورتمہارارب ہے پس اس کی عبادت کرو یہ سیدھا راستہ ہے

۳ . وما من اله الا الله(۳) اورنہیں ہے کوئی معبود اللہ کے سوا

٤ ومن يبتغ غير الاسلام دينا فلن يقبل منه وهو فى الآخرة من الخاسرين(۴)

اور جو اسلام کے علاوہ کوئی دین تلاش کرے گا اس کی کوئی چیز قبول نہیں کی جائے گی اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں ہوگا

٥ كنتم خير امة اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنهون عن المنكر وتومنون بالله(۵)

تم بہترین امت ہو جسے تمام انسانوں کے لئے برپا کیا گیا ہے تم نیکیوں کا حکم دیتے ہو اور برائیوں سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو

٦ واعبدوا الله ولاتشركوا به شيئا (۶)

---

(۱) البقرۃ ۲۱۳ (۲) آل عمران ۵۱ (۳) آل عمران ۶۲
(۴) آل عمران ۸۵ (۵) آل عمران ۱۱۰ (۶) النساء ۳

اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھراو

۷ .ان اللـه لایغفر ان یشرك به ویغفر ما دون ذلك لمن یشاء ومن یشرك بالله فقد افتری اثما عظیما.(۱)

بیشک اللہ معاف نہیں کرے گا اگر اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھرایا جائے گا اور جس کو چاہے گا اس سے کم کوئی گناہ معاف کردے گا اور جو کسی کو شریک ٹھرائے گا اس نے بہت بڑے گناہ کا ارتکاب کیا۔

۸. ان الله لا یغفر ان یشرك به ویغفر ما دون لك لمن یشاء ومن یشرك به فقد ضل ضلالا بعیدا(۲)

بیشک اللہ اپنے ساتھ شرک کو معاف نہیں کرتا ہے اور اس سے کم جس کو چاہتا ہے معاف کردیتا ہے اور جو اللہ کے ساتھ شرک کرے وہ سخت گمراہی میں پڑ گیا۔

۹. فلا تخشو االناس واخشون (۳)

پس تم لوگوں سے نہ ڈرو بس مجھ سے ڈرو

۱۰ یـا ایها الرسول بلغ ما انزل الیك من ربك وان لم تفعل فما بلغت رسالته والله یعصمك من الناس(۴)

اے رسول آپ کی طرف آپ کے رب کی جانب سے جو نازل کیا گیا ہے اس کی تبلیغ کیجئے اور اگر آپ نے ایسا نہیں کیا تو آپ نے اپنے رب کا پیغام نہیں پہونچایا اور اللہ آپ کو لوگوں (کے شر) سے محفوظ رکھے گا۔

۱۱ وقـال الـمسیح یـا بـنی اسرائیل اعبدو الله ربی وربکم انه من یشرك بالله فقد حـرم الـلـه عـلیه الجنة وماواه النار وما للظالمین من انصار لقد کفر الذین قالوا ان الله ثـالـث ثـلاثه وما من اله الا اله واحد وان لم ینتهوا عما یقولون لیمسن الذین کفروا منهم عذاب الیم.(۵)

مسیح نے کہا اے بنی اسرائیل عبادت کرو اللہ کی جو میرا رب ہے اور تمہارا رب ہے اور جو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھرائے گا تو جنت میں اس کا داخلہ اللہ حرام کردے گا اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہوگا اور ظلم کرنے والوں کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔ انہون نے کفر کیا جنہوں نے کہا اللہ تین میں تیسرا ہے ایک اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اگر وہ اپنی ان باتوں سے باز نہیں آئے تو ان میں کفر کرنے والوں کو سخت عذاب پہنچے گا۔

---

(۱) النساء ۵۰ (۲) النساء ۱۱۶ (۳) المائدہ ۴۴
(۴) المائدہ ۶۷ (۶) لمائدہ ۷۲

۱۲ قل اتعبدون من دون الله ما لایملك لکم ضرا ولا نفعا والله هو السمیع العلیم(۱)

کہو کیا تم عبادت کرتے ہو اس کی جو نہ تمہارے نقصان کے مالک ہیں نہ نفع کے اور اللہ ہی سننے والا اور جاننے والا ہے۔

۱۳ قل انما هو اله واحد واننی بریٔ مما تشرکون(۲)

کہ وہ تو ایک ہی معبود ہے اور میں بری ہوں تمہارے شرک سے۔

۱۴ ولقد کذبت رسل من قبلك فصبروا علی ما کذبوا واوذو حتی اتاهم نصرنا ولا مبدل لکلمات الله ولقد جائك من نبآ المرسلین (۳)

اور تم سے پہلے بھی رسولوں کو جھٹلایا گیا اوانہوں جھٹلائے اور تکلیف دئے جانے پر صبر کیا یہاں تک کہ ان کو ہماری مدد پہونچ گئی، اور اللہ کی باتوں کو کوئی بدلنے والا نہیں اور پیغمبروں کی کچھ خبریں تم تک پہونچ چکی ہیں۔

۱۵ وما نرسل المرسلین الا منذرین وما مبشرین.(۴)

اور ہم نہیں بھیجتے ہیں پیغمبروں کو مگر ڈرانے والا اور بشارت دینے والا بنا کر۔

۱۶ قل انی نهیت ان اعبد الذین تعبدون من دون الله.(۵)

کہہ دیجئے کہ مجھے منع کیا گیا ہے کہ میں عبادت کروں ان چیزوں کی جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو۔

۱۷ و اذقال ابراهیم لابیه آذر أتتخذ أصناما آلهة انی اراك وقومك فی ضلال مبین.(۶)

جب ابراہیم نے اپنے والد آذر سے کہا کیا آپ بتوں کو خدا بنالیتے ہیں میں آپ کو اور آپ کی پوری قوم کو کھلی ہوئی گمراہی میں مبتلا دیکھتا ہوں۔

۱۸ لقد ارسلنا نوحا الی قومه فقال یا قوم اعبدوا الله ما لکم من اله غیره انی اخاف علیکم عذاب یوم عظیم(۷)

ہم نے بھیج دیا نوح کو اس کی قوم کی جانب تو اس نے کہا اے قوم اللہ پروردگار کی عبادت کرو اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے میں تم پر یوم عظیم کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔

---

(۱) المائدہ ۷۶ (۲) الانعام ۱۹ (۳) الانعام ۳۴ (۴) الانعام ۴۸
(۵) الانعام ۵۶ (۶) الانعام ۷۴ (۷) الاعراف ۵۹

۱۹ والی عاد اخاھم ھودا قال یا قوم اعبدوا اللہ ما لکم من الہ غیرہ افلاتتقون(۱)
اورقوم عاد کی جانب ان کے بھائی ہود کو بھیجا انہوں کہا اے میری قوم اللہ ہی کی عبادت کروتمہارے لئے اس کے سوا کوئی معبود نہیں، تم خوف نہیں کھاتے؟

۲۰ والی ثمود اخاھم صالحا قال یاقوم اعبدوا اللہ ما لکم من الہ غیرہ(۲)
اورقوم ثمود کی جانب ان کے بھائی صالح کو ہم نے بھیجا صالح نے کہا اے میری قوم اللہ کے سے کسی کی عبادت مت کرو۔

۲۱ قال موسی یا فرعون انی رسول من رب العالمین(۳)
موسیٰ نے کہا اے فرعون میں رب العالمین کی طرف سے فرستادہ ہوں۔

۲۲ کتاب احکمت آیاتہ ثم فصلت من لدن حکیم خبیر، الا تعبدوا الا اللہ اننی لکم منہ نذیر وبشیر(۴)
یہ کتاب ہے جس کی آیتیں پہلے محکم کی گئیں پھر ایک دانا اور خبیر ہستی کی طرف سے اس کی تفصیل کی گئی کہ تم اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرو، میں تم کو اس کی طرف سے ڈرانے والا اور خوشخبری دینے والا ہوں۔

۲۳ ولقد ارسلنانوحاالی قومہ انی لکم نذیر مبین ان لا تعبدواالا اللہ انی اخاف علیکم عذاب یوم عظیم.(۵)
اور ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا کہ میں تم کو کھلا ہوا ڈرانے والا ہوں یہ کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو میں تم پر ایک دردناک عذاب کا اندیشہ رکھتا ہوں۔

۲٤ والی مدین اخاھم شعیبا قال یاقوم اعبدوا اللہ مالکم من الہ غیرہ(۶)
اور مدین کی طرف اس کے بھائی شعیب کو بھیجا۔اس نے کہا میری قوم اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔

۲۵ ولقد ارسلنا موسی بآیاتنا وسلطان مبین الی فرعون وملأہ فاتبعوا امر فرعون وما امر فرعون برشید.(۷)
اور ہم نے موسیٰ کو بھیجا اپنی نشانیوں کے ساتھ اور کھلی ہوئی سند کے ساتھ فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف، پھر وہ (بنی اسرائیل) فرعون کے حکم پر چلے حالانکہ فرعون کا حکم راہِ راست پر نہ تھا۔(جاری)

---

(۱) الاعراف ۶۵ (۲) الاعراف ۷۳ (۳) ۱۰۴ (۴) ہود ۲
(۵) ہود ۲۵ (۶) ہود ۸۴ (۷) ہود ۹۷

جمہوریت کی تعمیر میں علماء کا کردار

مولانا امانت علی قاسمی ❖

جمہوریت کی خوبی پر اگر بحث کی جائے تو اظہار رائے کی آزادی جمہوریت کی سب سے بڑی خوبی ہے، ایک جمہوری معاشرے میں ہر شخص کو غور و فکر اور بحث و مباحثہ کی آزادی حاصل ہوتی ہے ہر شخص جس خیال کو صحیح سمجھتا ہے بلا خوف و اندیشہ اسے بیان کرسکتا ہے، جمہوریت میں مخالف رائے کو بھی اہمیت دی جاتی ہے اور اس طرز عمل کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ صحیح نقطۂ نظر کو غالب آنے کا موقع ملتا ہے جمہوریت کی خوبی پر سیر حاصل بحث کرتے ہوئے یوسف صدیق لکھتے ہیں:

> جمہوریت عوام کے اخلاق کو بلند کرتی ہے، انہیں انسان دوستی، شرافت، باہمی ایثار او رمحبت کے اصول سکھاتی ہے اس لئے اس نظام حکومت کو اخلاقی افادیت کی بنا پر بھی پسند کیا جاتا ہے، جمہوری حکومت میں ملک گیری کی ہوس کم ہوجاتی ہے،، حکمرانوں میں جنگوں کا رجحان کم ہوجاتا ہے اور وہ امن پسند ہوجاتے ہیں برٹرینڈ رسل نے درست لکھا تھا کہ جمہوریت کا ایک فائدہ یہ ہے کہ یہ دوسری حکومتوں کے مقابلے میں امن کو زیادہ پسند کرتی ہے۔(۱)

جمہوریت کے خدوخال اور اس کے ستونوں پر گفتگو کرتے ہوئے عارف عزیز لکھتے ہیں:

> ملک کے ہر شہری کے ساتھ مساویانہ انصاف، ہر باشندے کے ساتھ ریاست کا برابری کا سلوک، تحریر، تقریر، خیال اور اجتماعی سرگرمیوں کی آزادی، تمام فرقوں، مذہبوں او رتہذیبی اکائیوں کو اپنے اپنے دائرے میں پھلنے پھولنے کے مواقع مہیا ہونا یہ مستحکم ستون جن پر ہندوستانی آئین کی شاندار عمارت کھڑی ہے، دنیا کے تمام جمہوری اصولوں کا نچوڑ اور ہندوستانی قوم کی روشن خیالی اور بلند ہمتی کی علامت ہے لیکن اس کا چوتھا ستون اخبارات ہے جن کے ذریعہ رائے عامہ کو باشعور بنانے اور اس کی ذہنی

❖ استاذ دارالعلوم وقف دیوبند

(۱) یوسف صدیق، جدید جمہوریت کا تاریخی پس منظر

تربیت کرنے کا کام انجام پاتا ہے۔(۱)

جمہوریت کی عناصر پر گفتگو کرتے ہوئے جاوید احمد غامدی صاحب لکھتے ہیں:

حاکمیت عوام، مساوات اور انفرادی آزادی جمہوریت کے اجزائے ترکیبی ہیں، انہی عناصر ثلاثہ سے مل کر جمہوریت کا پیکر بنا ہے اگر ان میں ایک عنصر بھی غائب ہو جائے تو اس سے جمہوریت کا حسن مجروح ہو جائے گا اور اگر تینوں ہی عناصر موجود نہ ہوں تو پھر وہ جمہوریت نہیں آمریت اور ملوکیت ہے۔(۲)

جمہوریت کے ستون کے سلسلے میں گفتگو کرتے ہوئی عثمان احسن تحریر کرتے ہیں:

دنیا کے تمام جمہوری ممالک میں جمہوریت کے چار بنیادی ستون مانے جاتے ہیں جن پر جمہوریت کی عمارت کھڑی ہے جمہوریت کے وہ چار بنیادی ستون یہ ہیں (۱) مقنّنہ (پارلیمنٹ) (۲) انتظامیہ (حکومت) (۳) عدلیہ (۴) میڈیا۔ مندرجہ چار ادارے اگر کسی ملک میں کام سرانجام دے رہے ہوں تو یقینی طور اس ملک اور معاشرے کو جمہوری کہا جائے گا۔(۳)

مذکورہ تحریروں کی روشنی میں دو باتیں کھل کر سامنے آتی ہیں ایک یہ کہ جمہوریت کے چار ستون ہیں پارلیمنٹ، انظامیہ، عدلیہ اور میڈیا، دوسری چیز یہ کہ اظہار رائے کی آزادی، مساوات، انصاف، مذہبی اور تہذیبی آزادی یہ سب درحقیقت انہی ستونوں کے اجزائے ترکیبی ہیں اسی لئے ان چیزوں کو جمہوریت کی خوبی اور خصوصیات سے تعبیر کیا جاتا ہے، مثال کے طور پر اظہار رائے کی آزادی میڈیا کا حصہ ہے، انصاف عدلیہ کی ذمہ داری ہے، مساوات مقنّنہ اور پارلیمنٹ کے فرائض میں داخل ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر جمہوریت کے ان چاروں ستونوں کو مضبوط کیا گیا تو اظہار رائے کی آزادی، فکر وخیال اور عقیدہ وضمیر کی آزادی حاصل ہوگی، انصاف کا بول بالا ہوگا، ہر شہری اور تمام مذہبی اکائیوں کو اپنے اپنے دائرہ میں پھلنے پھولنے کا موقع میسر ہوگا اس لئے میرے خیال سے جمہوریت کی تعمیر وتشکیل اور قوت واستحکام کے لئے جمہوریت کے ستونوں کو مضبوط کرنا ضروری ہے۔

---

(۱) عارف عزیز، جمہوریت کا چوتھا ستون ذرائع ابلاغ ہے، فکر وخبر

(۲) جاوید احمد غامدی، اسلام اور جمہوریت

(۳) عثمان احسن، جمہوریت کے ستون اول، ہماری ویب

ماضی میں علماء کا کردار تعمیر جمہوریت کے حوالے سے

علماء کرام یہ قوم کا وہ دانشور طبقہ ہے جنہوں نے ہر زمانے میں اور سنگین سے سنگین حالات میں ملک کی بقاء وسالمیت کے لئے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا ہے، غلام ہندوستان میں علماء کرام نے جو جدو جہد کی اسے تاریخ کبھی فراموش نہیں کرسکتی ہے، انہوں نے اپنے فتوی جہاد کے ذریعہ مسلمانوں میں جہاد آزادی کی روح پھونک دی اور نہ صرف فتوی کی تلوار چلا کر گوشہ نشیں ہوگئے بلکہ میدان کارزار کو گرمایا، انگریزوں کو چیلنج کیا، انہیں لوہے کے چنے چبانے پر مجبور کیا، شاملی اور پانی پت کے علاوہ مختلف جنگوں میں اپنی جانوں کا بیش قیمت تحفہ ملک کے لئے پیش کیا۔

ملک کی آزادی کے وقت تقسیم پاکستان کے نتیجے میں کچھ لوگ ملک کو ہندو راشٹر بنانے کا خواب دیکھ رہے تھے لیکن برادران وطن کی بڑی اکثریت اس بات کی قائل تھی کہ ملک کا نظام جمہوری ہونا چاہیے اس لئے کہ برطانیہ وغیرہ ممالک میں جمہوریت کا کامیاب تجربات ہو چکے تھے، انگریزوں نے غلام ہندوستان میں بھی جمہوریت کو نافذ کر دیا تھا اور اس نظام حکومت میں ہر شہری کو برابری اور انصاف کا مکمل حق ملتا ہے اس لئے مسلم لیڈران خاص طور پر جمعیۃ علماء جس کے صدر شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی تھے اور مولانا آزاد وغیرہ نے کانگریس کو یاد دلایا کہ آزادی کی جنگ ہندو اور مسلمانوں نے مل کر لڑی ہے اور ہمارا شروع سے مطالبہ رہا ہے کہ جب ملک آزاد ہوگا تو جمہوری اور سیکولر ملک ہوگا اس لئے ملک کا دستور جمہوری ہونا چاہئےہندو راشٹر کا خواب دیکھنے والے بہت تھوڑے لوگ تھے اور یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے ملک کے لئے کوئی قربانی نہیں دی تھی اور ملک کی غالب اکثریت جمہوریت کی قائل تھی اس لئے ملک کا ستور جمہوری قرار پایا، اس طرح کہا جاسکتا ہے کہ جمہوریت کی تعمیر میں حضرات علماء کرام کا کردار رہا ہے، گویا اگر کہا جائے کہ جمہوریت کی تعمیر میں علماء کرام کی حیثیت بنیادی پتھر کی ہے جنہیں کسی قیمت پر ملک کی جمہوری کردار سے الگ نہیں کیا جاسکتا ہے تو غلط نہ ہوگا۔

ملک کی آزادی کے بعد ڈاکٹر امبیڈکر کی نگرانی میں جو دستور ساز کونسل بنائی گئی تھی اس میں مسلم ارکان بھی شامل تھے جن میں ایک نام بہت مولانا اسمعیل کا ہے جو انڈین یونین لیگ کے بانی ہیں اور تین مرتبہ کیرالا لوک سبھا سیٹ سے ممبر پارلیمنٹ رہ چکے ہیں انہوں نے دستور سازی میں اہم کردار ادا کیا تھا۔

جمہوریت کا پہلا ستون (پارلیمنٹ)

جمہوریت کے چار ستونوں میں ایک ستون پارلیمنٹ اور مقننہ ہے جن کا کام ملک اور شہریوں کے

مفاد کے لیے قانون بنانا ہے جو قانون کے مساوات اور برابری کے نقطہ نظر سے بنائے جاتے ہیں اور اس قانون کا لزوم ہر شہری پر یکساں طور پر ہوتا ہے اس میں ملک کے کسی شہری کے ساتھ کوئی تفریق نہیں کی جاتی ہے، ارکان پارلیمنٹ جس میں لوک سبھا اور راجیہ سبھا دونوں کے ارکان شامل ہوتے ہیں۔ یہ وہ پہلا ستون ہے جس کے ذریعہ جمہوریت کی تعمیر عمل میں آتی ہے، ملک کے جن دانشور طبقہ نے اس میں کردار ادا کیا ہے اس میں علماء کرام بھی شامل ہیں اور لوک سبھا اور راجیہ سبھا میں علماء کی نمائندگی ہوتی رہی ہے، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی، مولانا اسعد مدنی، مولانا محمود مدنی، مولانا عبید اللہ خان اعظمی، مولانا بدرالدین اجمل اور مولانا اسرار الحق اور اس طرح کے بہت سے علماء کرام ہیں جو لوک سبھا اور راجیہ سبھا کے ممبر رہے ہیں اس کے علاوہ صوبائی اسمبلی میں بھی علماء کرام نمائندگی کرتے رہے ہیں اور قانون سازی اور جمہوریت کے پہلے ستون کی مضبوط تعمیر میں کردار ادا کیا ہے۔

جمہوریت کا دوسرا ستون (انتظامیہ)

جمہوریت کا دوسرا ستون انتظامیہ ہے، ملک میں جس پارٹی کی اکثریت ہوتی ہے ملک کا نظم ونسق انہی کے ہاتھوں میں ہوتا ہے، وہی ملک کے سیاہ وسفید کے مالک ہوتے ہیں اور ان کا فرض ہوتا ہے کہ مساوات اور اخوت و بھائی چارگی کی روشنی میں ملک کی فلاح و بہبود کے لئے کام کرے، تمام شہریوں کو یکساں سہولیات فراہم کرے، ملک اور ہر شہری کی خوش حالی، ترقی، سہولت اور امن عامہ قائم کرنے کے لئے وسائل استعمال کرے۔ اس جگہ علماء کرام کی خدمات آٹے میں نمک کے برابر ہے، لیکن یہ علماء کرام کی بے توجہی، عدم دلچسپی یا عدم اہلیت کی بنا پر نہیں ہے، جو لوگ ممبر آف پارلیمنٹ ہوتے ہیں اور ان کی پارٹی برسر اقتدار ہوتی ہے وہی انتظامیہ میں ہوتے ہیں، اس کے علاوہ حکومت جس کو چاہے وزارت کا عہدہ دے کر ملک کی انتظامیہ میں شامل کرسکتی ہے، جمہوریت کے اس شعبے کو بدقسمتی سے بدنیتی اور تعصب کا گھن لگ گیا ہے اس لئے میں اس شعبہ میں علماء کرام کا کردار نظر نہیں آتا ہے اگر چہ مولانا ابوالمحاسن سجاد صاحب کی انڈیپنڈنٹ پارٹی کی بہار اسمبلی میں کچھ دنوں کے لئے حکومت بنی تھی اس طرح بہار اسمبلی کا نظم ونسق کچھ دنوں کے لئے ان کے ہاتھ میں تھا اور اس طرح کچھ دنوں کے لئے ہی سہی انہوں نے جمہوریت کی میزبانی کا شرف ادا کیا ہے۔

جمہوریت کا تیسرا ستون (عدلیہ)

عدلیہ جمہوریت کا تیسرا بنیادی ستون ہے فاضل جج خواہ ہائی کورٹ کا ہو یا سپریم کورٹ کا

پارلیمنٹ کے ذریعہ بنائے گئے قانون اور ڈاکٹر امبیڈکر کے بنائے گئے دستور کو ملک میں نافذ کرنا ہر شہری کے ساتھ یکساں سلوک کرنا اور ہر شہری پر ملک کا قانون نافذ کرنا، جرائم کی روک تھام اور کرپشن اور ملک کے بگڑتے ماحول میں امن وامان قائم کرنے کے لئے مؤثر فیصلے کرنا عدلیہ کی ذمہ داری ہے اور یہی چیز جمہوریت کو مضبوط اور مستحکم کرتی ہے، جمہوریت کے اس ستون میں مجھے علماء کرام کا کردار نظر نہیں آتا ہے علماء کرام کو اس جانب توجہ دینے کی ضرورت ہے تاکہ جمہوریت کو اس جانب سے بھی ہم مضبوط کرسکیں اور ان کی خدمت کرسکیں۔

جمہوریت کا چوتھا ستون (میڈیا)

میڈیا جمہوریت کا چوتھا ستون ہے جس میں اظہار رائے کی آزادی، رائے عامہ کو ہموار کرنا،، عام آدمی کی رائے سے حکومت اور عوام کو متعارف کرانا شامل ہے، میڈیا جس میں پہلے اخبار آتا تھا اور اب اس میں بہت وسعت ہوگئی ہے الکٹرانک میڈیا، پرنٹ میڈیا، سوشل میڈیا اور ان سب کی مختلف قسمیں وجود میں آگئی ہیں، جمہوریت کے اس ستون کو دیکھا جائے تو علماء کرام نے اس کی بھر پور خدمت کی ہے اور اس کو مضبوط کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے، ابتداء سے ہی علماء نے اس جانب توجہ دی ہے اخبارات ورسائل کی ایک بڑی تعداد ہے جو علماء کرام کے زیر ادارت نکلتا رہا ہے اور اس وقت بھی علماء کرام اس جدوجہد میں لگے ہوئے ہیں اس میدان میں ان کی خدمات کا جائزہ لیں تو فیض احمد فیض کی زبان میں ان کا درد اس طرح نمایاں ہوگا:

ہم پرورش لوح وقلم کرتے رہیں گے
دل پہ جو گزرتی ہے رقم کرتے رہیں گے

مستقبل میں تعمیر جمہوریت اور علماء کرام

بہر حال یہ تو ماضی میں علماء کرام اور تعمیر جمہوریت کا خاکہ تھا جس میں علماء کے کردار کو کسی بھی صورت نظر انداز نہیں کیا جاسکتا ہے آیئے اس پر غور کریں کہ علماء کرام مستقبل میں جمہوریت کی تعمیر کس طرح کرسکتے ہیں اور جمہوریت کی بقاء وتحفظ کے کس طرح اپنا کردار ادا کرسکتے ہیں؟ اس سلسلے میں ضروری ہے کہ علماء کرام سیاست میں حصہ لیں، سیاست کو شریف لوگوں نے گندگی کی آماج گاہ، بدمعاشوں کی بسر گاہ، لچوں لفنگوں کی دانش گاہ خیال کرکے اپنے آپ کو اس سے الگ کرلیا ہے یہ تصور جمہوریت کے لئے بہت

خطرناک ہے، اگر شریف، ایمان دار، انصاف پسند، سچائی کے علمبردار، انسانیت کے بہی خواہ، ملک سے سچی محبت کرنے محبّ وطن سیاست سے اپنا دامن بچالیں گے، اور اس کو اپنے لئے زہر ہلاہل جان کر اس سے دور ہو جائیں گے تو جان لیجئے کہ ملک کا جمہوری نظام خطرے میں پڑ جائے گا، نام تو جمہورت اور دستور کا ہوگا لیکن نظام ڈکٹیٹر شپ سے بھی خطرناک ہوگا، اس لئے اگر ہم جمہوریت کی تعمیر کرنا چاہتے ہیں ملک اور دستور کی حفاظت کرنا چاہتے ہیں تو سیاست میں بھر پور حصہ داری ضروری ہے، ہم انتخابی نظام سیاست کو سمجھیں، امیدوار بنیں اور پارلیمنٹ پہنچ کر انصاف اور ترقی پسند قانون بنانے میں اپنا کردار ادا کریں، برسر اقتدار حکومت کا حصہ بن کر انتظامیہ میں شامل ہوں اور انسانیت کی خدمت کو اپنا شیوہ بنائیں، سیاست میں حصہ لے کر ہم جمہوریت کے دوستون مقنّنہ اور انتظامیہ کو مضبوط کر سکتے ہیں، علماء کرام کا گروہ مختلف رفاہی اور علمی و تحقیقی میدانوں میں نمایاں کام انجام دے رہا ہے لیکن عدلیہ میں ان کی نمائندگی صفر درجہ کی ہے یہ ایک لمحۂ فکریہ ہے اس وقت جب کے مسلم بچوں کی تعلیم پر بہت توجہ دی جارہی ہے اور اس کے لئے کافی جدو جہد ہو رہی ہے، فضلاء مدارس کے مزید تعلمی نظام کو جاری رکھنے اور وسیع تر تعلمی نظام سے انہیں منسلک کرنے کی کوشش کی جارہی ہے ضرورت اس بات کی ہے کہ ہمارے فضلاء مدارس فراغت کے بعد جس طرح عصری تعلیمی اداروں میں جا کر میڈیکل، انجنیر نگ، ریسرچ اور مختلف میدانوں میں کام کرتے ہیں اور اپنا کردار ادا کرتے ہیں ایسے فارغ التحصیل طلبہ وکالت کی تعلیم حاصل کریں اور عدلیہ میں اپنا کردار ادا کریں، اس کے ذریعہ وہ ملک اور سماج کی بہتر خدمت کر سکتے ہیں مسلمانوں اور خاص کر مظلوموں کو انصاف دلا کر جمہوری نظام کی بہتر تعمیر کر سکتے ہیں، ملک کے دانشوروں اور مسلم اداروں کو اس جانب خاص توجہ دینے کی ضرورت ہے ہم جمہوری کردار کو عدالت کے ذریعہ بحال کر سکتے ہیں، بچا سکتے ہیں اور مضبوط و مستحکم کر سکتے ہیں۔

چوتھا ستون میڈیا کا ہے یہ خوش آئند بات ہے کہ ماضی کی طرح اس وقت بھی علماء کرام میڈیا میں اپنا کردار ادا کر رہے ہیں اور میڈیا کی ہر جہت سے خدمت انجام دے رہے ہیں، الکٹرانک میڈیا، پرنٹ میڈیا، صحافت، اخبارات ورسائل، سوشل میڈیا پر علماء کرام متحرک نظر آتے ہیں، اور اسے مضبوط کرنے کی سعی میں ہیں، ہاں ایک خاص جانب توجہ دینے کی ضرورت ہے، علماء کرام کی زیادہ تر توجہات اردو صحافت پر ہے، علماء کرام کی زیادہ تر تحریریں اردو میں ہی آتی ہیں جب کہ ملک کا ایک بڑا طبقہ اس زبان سے نا آشنا ہے خود مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد اردو نہیں جانتی ہے اس لئے ضرورت ہے کہ علماء کرام ہندی انگریزی

زبان سے واقفیت حاصل کریں اوران دو زبانوں میں عبور حاصل کر کے اپنی تخلیقات و نگارشات کو انہی زبانوں میں پیش کریں ، انگریزی اخباروں میں آرٹیکل شائع کریں ، ہندی اخبارات کی زینت بنیں ، ہندوستانی قوم سے ان کی زبان میں بات کریں اس سے دوقوموں کی درمیان فاصلے کم ہوں گے اسلام کے اصول دعوت کے پیش نظر بھی ضروری ہے کہ قوموں کی زبان کو سیکھا جائے اوران کی زبان میں دعوت کا پیغام پہنچایا جائے ، اس طرح ہم جمہوریت کی بہتر تعمیر کر سکتے ہیں ، جمہوریت کو مضبوط کر سکتے ہیں اور ملک کی ترقی وخوش حالی میں اپنا بھی کردار پیش کر سکتے ہیں۔

اخوت و بھائی چارگی اور امن وامان کے قیام میں علماء کا کردار

اخوت و بھائی چارگی ، امن وامان کا قیام ،قومی یکجہتی پیار و محبت اور احترام انسانیت جمہوریت کی روح ہے، اس کے بغیر جمہوریت کا تصور محال ہے اور یہ وہ خوبی ہے کہ جمہوریت کی حقیقت اسی میں پنہا ہے ، ملک کے بعض فرقہ پرست عناصر ملک کے باشندوں کے درمیان موجزن پیار و محبت اور قومی یکجہتی کو کچلنا چاہتی ہے، لیکن علماء کرام اس سلسلے میں مسلسل کوشش کرتے آرہے ہیں اور اخوت و بھائی چارگی کو مضبوط کرنے میں لگے ہوئے ہیں ، جماعت اسلامی اور جمیعۃ علماء ہند مسلسل پیام انسانیت کے پروگرام کرتی رہتی ہے، ملک کے نامور عالم دین اور قائد ملت مولانا ارشد مدنی صاحب مسلسل قومی یکجہتی کے پروگرام کرتے رہتے ہیں ان کا کہنا کہ اگر قومی یکجہتی کو فروغ دیا گیا تو ملک کا جمہوری نظام مستحکم ہوگا اگر اس کو نقصان پہنچایا گیا تو ملک تقسیم کے دہانے پر پہنچ جائے گا اس لئے قومی یکجہتی کو فروغ دینا اس وقت سب سے بڑی ضرورت ہے، علماء کرام کو اس جانب بھی خاص توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

آخری قسط

بیع المعدوم کا تجزیاتی مطالعہ

مولانا عصمت اللہ نظامانی ❖

بیع المعدوم کے جواز کی صورتیں

فقہائے کرام نے متعدد عقود میں چند مخصوص وجوہ کی بنا پر بیع المعدوم کو جائز قرار دیا ہے، مثلاً کبھی عرف وتعامل کی وجہ سے، اور بسا اوقات لوگوں کی حاجت اور ضرورت کا لحاظ رکھتے ہوئے یا کسی دوسری وجہ سے "معدوم" کی بیع کو جائز کہا گیا ہے، جس کی مختصر وضاحت حسبِ ذیل ہے۔

بیع الاستجرار میں معدوم کی بیع کا جواز

''بیع الاستجرار'' استجر المال سے مأخوذ ہے، جس کے معنیٰ ہیں: تھوڑا تھوڑا مال لینا۔ اور فقہاءِ متأخرین کی اصطلاح میں بیع الاستجرار یہ ہے کہ کوئی شخص دکاندار سے اپنی ضرورت کی اشیاء وقتاً فوقتاً تھوڑی تھوڑی کر کے لیتا رہے اور ہر مرتبہ چیز لیتے وقت دونوں کے درمیان نہ تو ایجاب وقبول ہوتا ہے اور نہ ہی بھاؤ تاؤ ہوتا ہے۔ چنانچہ علامہ حصکفیؒ نے درجِ ذیل الفاظ سے ''بیع استجرار'' کی تعریف کرتے ہیں:

ما يستجره الإنسان من البياع إذا حاسبه على أثمانها بعد استهلاكها. (۱)

یعنی انسان دکاندار سے تھوڑی تھوڑی چیز لیتا رہے، اور ان اشیاء کو استعمال کرنے کے بعد آخر میں ان کی قیمت کا حساب کر کے ادا کردے۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ خریدار مبیع کے استہلاک اور استعمال کے بعد ثمن طے کر کے بائع کو دے گا۔ اس بیع میں جہالتِ ثمن کے ساتھ بیع المعدوم بھی ہے۔ وہ اس طرح کہ بیع اس وقت منعقد ہوگی جب مہینے کے آخر میں حساب کا تصفیہ ہوگا، حالانکہ اس وقت وہ چیز استعمال کے بعد ختم ہو چکی ہوگی، اور ظاہر ہے کہ اس سے معدوم چیز کی بیع لازم آئے گی۔ لیکن چونکہ اس میں ابتلاء عام ہے، اور لوگوں کو اس کی حاجت وضرورت ہوتی ہے، اس لیے بیع الاستجرار کی صورت میں معدوم کی بیع جائز قرار دی گئی ہے، جیسا کہ علامہ

❖ استاذ جامعہ دار العلوم، کراچی

(۱) الحصکفی، علاء الدین محمد بن علی (ت ۱۰۸۸ھ)، الدر المختار مع رد المحتار، (۴/۵۱۶)

ابن نجیمؒ عقد بیع میں معقود علیہ یعنی مبیع کی شروط ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

ومما تسامحوا فيه وأخرجوه عن هذه القاعدة ما في القنية الأشياء التي تؤخذ من البياع على وجه الخرج كما هو العادة من غير بيع كالعدس والملح والزيت ونحوها، ثم اشتراها بعدما انعدمت صح اهـ .فيجوز بيع المعدوم هنا(۱)

ترجمہ: جن مسائل میں فقہائے کرام نے تسامح اختیار کیا ہے اور اس قاعدے (بیع میں مبیع کا موجود ہونا ضروری ہے) سے مستثنیٰ قرار دیا ہے، ایک وہ ہے جو "قنیہ" میں ہے، یعنی وہ اشیاء جو فرخت کرنے والوں سے عقدِ بیع کے بغیر استعمال کے طور پر لی جاتی ہیں، جیسا کہ یہ عادت ہے، مثلاً دال، نمک اور تیل وغیرہ، اور پھر ان کے ختم ہونے کے بعد انہیں خریدتا ہے تو یہ صحیح ہے۔ تو یہاں "بیع المعدوم" جائز ہوگی۔

علامہ ابن نجیمؒ کے قول "**فيجوز بيع المعدوم هنا**" سے اشارہ ملتا ہے کہ حاجت وضرورت اور لوگوں کے ابتلاء کے وقت بیع المعدوم جائز ہوسکتی ہے۔ اسی طرح الاشباہ والنظائر میں لکھتے ہیں: **بيع المعدوم باطل إلا فيما يستجره الإنسان من البقال. (۲)**

ترجمہ: معدوم کی بیع باطل ہے، سوائے ان چیزوں میں جو انسان دوکاندار سے تھوڑی تھوڑی کرکے لیتا ہے۔

یہ بات ملحوظ رہے کہ علامہ شامی وغیرہ نے بیع الاستجرار کی دوسرے طریقے سے بھی تکییف کی ہے۔ تاہم یہ بات بہرحال ثابت ہوجاتی ہے کہ بعض حالات میں فقہائے کرام کی عبارات سے بیع المعدوم کے جواز ثابت ہوسکتا ہے۔

عقدِ اجارہ میں معدوم کی بیع کا جواز

عقدِ اجارہ میں منافع کی بیع ہوتی ہے۔ (۳) اور بوقت عقد وہ منافع معدوم ہوتے ہیں، اس لیے بیع المعدوم ہونے کی وجہ سے عقدِ اجارہ بھی ناجائز ہونا چاہیے، لیکن حاجت اور ضرورت کی وجہ سے بیع المعدوم ہونے کے باوجود اسے جائز قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ علامہ کاسانیؒ تحریر فرماتے ہیں:

جواز الإجارة مع أن القياس يأباها لكونها بيع المعدوم؛ لتعامل الناس. (۴)

---

(۱) ابن نجیم، زین بن إبراہیم (ت ۹۷۰ھ)، البحر الرائق شرح کنز الدقائق، الناشر: دار الکتاب الاسلامی، (۵/۲۷۹)

(۲) ابن نجیم، زین الدین بن إبراہیم (ت ۹۷۰)، الأشباہ والنظائر، تحقیق: زکریا عمیرات، الناشر: دار الکتب العلمیۃ - بیروت، ط ۱۴۱۹ھ ۱۹۹۹م، ص: ۱۷۸

(۳) المرغینانی، برہان الدین علی بن أبی بکر (ت ۵۹۳ھ)، الهدایۃ فی شرح بدایۃ المبتدی، تحقیق: طلال یوسف، الناشر: دار إحیاء التراث العربی - بیروت، (۳/۲۳۰)

(۴) الکاسانی، علاء الدین أبو بکر بن مسعود (ت ۵۸۷ھ)، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، (۵/۱۶۶)

ترجمہ :عقدِ اجارے کا جواز لوگوں کے تعامل کی وجہ سے ہے، حالانکہ بیع المعدوم ہونے کی وجہ سے قیاس اس کا انکار کرتا ہے۔

علامہ حموی لکھتے ہیں: **الإجارة بيع المعدوم وجوزت على منافاة الدليل للحاجة. (۱)**

ترجمہ:عقدِ اجارہ معدوم کی بیع ہے،اور دلیل کے منافی ہونے کے باوجود حاجت کی وجہ سے جائز قرار دیا گیا ہے۔

علامہ شاطبیؒ رقم طراز ہیں: **وأيضًا الإجارة رخصة من بيع المعدوم (۲)**

ترجمہ: عقد اجارہ بیع المعدوم سے رخصت یعنی مستثنیٰ ہے۔

عقدِ استصناع میں معدوم کی بیع کا جواز

استصناع یعنی آرڈر پر کوئی چیز بنوانا اور خریدنا۔عقدِ استصناع میں بھی معقود علیہ یعنی جو چیز آرڈر پر بنوائی اور خریدی جا رہی ہے، وہ عقدِ بیع کے وقت موجود نہیں ہوتی۔اس لیے اصولی طور پر بیع المعدوم ہونے کی وجہ سے عقدِ استصناع ناجائز ہونا چاہیے، جیسا کہ امام زفرؒ کا قول ہے،لیکن عرف اور تعامل کی وجہ سے بیع المعدوم جائز قرار دیکر عقدِ استصناع کو درست کہا گیا ہے، چنانچہ علامہ کاسانی فرماتے ہیں: **فالقياس يأبى جواز الاستصناع؛ لأنه بيع المعدوم. (۳)**

ترجمہ : قیاس عقدِ استصناع کے جواز سے انکار کرتا ہے؛ کیونکہ وہ معدوم کی بیع ہے۔

علامہ برہان الدین ابن مازہ تحریر فرماتے ہیں: **جواز الاستصناع بخلاف القياس؛ لأنه بيع المعدوم، لتعامل الناس. (۴)**

ترجمہ: بیع المعدوم ہونے کی وجہ سے قیاس کے برخلاف عقد استصناع کا جواز لوگوں کے تعامل کی وجہ سے ہے۔

اور علامہ ابن مودود موصلی رقم طراز ہیں: **(وإذا استصنع شيئا جاز استحسانا) اعلم أن**

---

(۱) الحموي، أبو العباس أحمد بن محمد (ت ۱۰۹۸ھ)، غمز عيون البصائر، الناشر: دار الكتب العلمية -بيروت، ط۱۴۰۵ھ ۱۹۸۵م (۱/۳۱۶)

(۲) الشاطبي، إبراهيم بن موسى (ت ۷۹۰ھ)، الموافقات، تحقيق: أبو عبيدة مشهور بن حسن، الناشر: دار ابن عفان -المملكة السعودية، ط۱۴۱۷ھ ۱۹۹۷م (۲/۷۵)

(۳) الكاساني، علاء الدين أبو بكر بن مسعود (ت ۵۸۷ھ)، بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع، (۵/۲۰۹)

(۴) ابن مازة، برهان الدين محمود بن أحمد (ت: ۶۱۶)، المحيط البرهاني في الفقه النعماني، تحقيق: عبد الكريم سامي الجندي، الناشر: دار الكتب العلمية -بيروت، ط۱۴۲۴ھ ۲۰۰۴م (۷/۶۲۶)

القياس يأبى الجواز وهو قول زفر؛ لأنه بيع المعدوم، لكن استحسنا جوازه للتعامل بين الناس من غير نكير .(۴۶)

ترجمہ: جب کوئی چیز استصناع یعنی آرڈر پر بنوائے تو یہ استحساناً جائز ہے۔ واضح رہے کہ قیاس اس کے جواز کا انکار کرتا ہے؛ کیونکہ بیع المعدوم ہے، لیکن لوگوں کے درمیان بغیر انکار کے تعامل کی وجہ سے استحساناً اس کا جواز ثابت ہے۔

بیع سلم میں بیع المعدوم کا جواز

بیع سلم بھی ایک قسم کی بیع المعدوم ہے؛ کیونکہ مسلم فیہ یعنی مبیع بوقت عقد موجود نہیں ہوتی۔ اس لیے اصولی طور پر اسے بھی ناجائز ہونا چاہیے، لیکن لوگوں کی حاجت وضرورت کی وجہ سے بیع المعدوم ہونے کے باوجود اسے جائز قرار دیا گیا ہے، چنانچہ علامہ سرخسیؒ تحریر فرماتے ہیں:

جواز السلم بخلاف القياس فإنه بيع المعدوم، وإنما جعل المسلم فيه كالموجود حكما لحاجة المسلم إليه. (۴۷)

ترجمہ : بیع سلم کا جواز قیاس کے برخلاف ہے؛ کیونکہ یہ معدوم کی بیع ہے، اورمشتری کی ضرورت کی وجہ سے ہی مسلم فیہ یعنی مبیع کو حکماً موجود مانا گیا ہے۔

اورعلامہ علاء الدین سمرقندیؒ فرماتے ہیں: **فالقياس أن لا يجوز السلم لأنه بيع المعدوم، وفي الاستحسان جائز. (۴۸)**

ترجمہ: قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ بیع سلم جائز نہیں ہو؛ کیونکہ یہ معدوم کی بیع ہے اور استحساناً جائز ہے۔

اسی طرح اور بھی متعدد فقہائے کرام نے بیع سلم کو بیع المعدوم کی ایک قسم قرار دیا ہے۔ (۴۹)

بیع المعدوم کے جواز کے مختلف مسائل

بیع المعدوم کے جواز کی ذکر کردہ صورتوں کے علاوہ اور بھی متعدد مسائل ہیں جن میں فقہائے کرام نے معدوم کی بیع جائز قرار دی ہے۔

---

(۴۶) ابن مودود، عبداللہ بن محمود الموصلی (ت ۶۸۳ھ)، الاختیار لتعلیل المختار، الناشر: دارالکتب العلمیة - بیروت، ط ۱۴۲۶ھ ۲۰۰۵م (۲/۴۰)

(۴۷) السرخسی، شمس الأئمة محمد بن أحمد (ت ۴۸۳ھ)، المبسوط، الناشر: دارالمعرفة - بیروت، ط ۱۴۱۴ھ ۱۹۹۳م (۲۱/۹۷)

(۴۸) السمرقندی، علاء الدین محمد بن أحمد (ت ۵۴۰ھ)، تحفة الفقہاء، الناشر: دارالکتب العلمیة - بیروت، ط ۱۴۱۴ھ ۱۹۹۴م (۲/۸)

(۴۹) انظر! المرغینانی، برہان الدین علی بن أبی بکر (ت ۵۹۳ھ)، الہدایة فی شرح بدایة المبتدی، (۳/۷۰) - وابن نجیم، زین الدین بن إبراہیم (ت ۹۷۰ھ)، الأشباہ والنظائر، (ص: ۷۸)

۱- وہ پھل وغیرہ جو تھوڑے تھوڑے ہو کر درخت پر لگتے ہیں، تو ایسی صورت میں جو پھل ابھی تک نہیں لگے، معدوم ہونے کے باوجود موجود پھلوں کے تابع کر کے ان کی بیع جائز قرار دی جاتی ہے۔

۲- زمین کے اندر اُگنے والی سبزیاں وغیرہ جیسے گاجر۔ انہیں باہر نکالنے سے قبل فروخت کرنا بھی جائز ہے، حالانکہ بوقت بیع وہ موجود نہیں ہوتیں، لیکن ضرورت اور تعامل کی وجہ سے معدوم ہونے کے باوجود یہ بیع جائز قرار دی گئی ہے، جیسا کہ علامہ حصکفیؒ لکھتے ہیں: **ومنه أی من بیع المعدوم -بیع ما أصله غائب کجزر وفجل، أو بعضه معدوم کورد ویاسمین وورق فرصاد .وجوزه مالك لتعامل الناس، وبه أفتی بعض مشایخنا عملا بالاستحسان.(۵۰)**

ترجمہ: بیع المعدوم کی ایک صورت یہ ہے کہ ایسی چیز فروخت کرنا جس کی جڑ غائب ہو، جیسے گاجر اور مولی۔ یا اس کا کچھ حصہ معدوم ہو، جیسے یاسمین کے پھول اور سرخ توت۔ امام مالک نے تعامل کی وجہ سے اسے جائز قرار دیا ہے، اور ہمارے بعض مشائخ نے بھی استحسان پر عمل کرتے ہوئے اس پر فتوی دیا ہے۔

اور علامہ شامیؒ اس دوسری صورت کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وهذا إذا كان لم ينبت أو نبت ولم يعلم وجوده وقت البيع.(۵۱)

ترجمہ : یہ حکم اس وقت ہے جب (زمین کے اندر اُگنے والی سبزی وغیرہ) بوقتِ بیع پیدا نہ ہوئی ہو، یا اُگ چکی ہو، لیکن اس کا وجود معلوم نہ ہو۔

۳- بیع المعدوم کے جواز کی ایک صورت مقروض کو قرض فروخت کر کے دینا بھی ہے۔ جس کی مثال یہ ہوگی کہ ایک شخص کے دوسرے کے ذمہ پچاس مَن گندم ہیں پھر قرض خواہ نے مقروض سے ان پچاس مَن گندم کے بدلے پچاس ہزار روپے لیے تو یہ بیع المعدوم ہونے کے باوجود صحیح ہے۔ بیع المعدوم اس طرح ہے کہ جس وقت عقد کیا تھا، اس وقت مبیع یعنی پچاس مَن گندم موجود نہیں تھے، جیسا کہ علامہ آفندی ''دررالحکام'' میں تحریر فرماتے ہیں: **ويستثنى من قاعدة بيع المعدوم مسألتان :الأولى :البيع بالاستجرار فقد جوز استحسانا مع أنه بيع معدوم الثانية :بيع الدين من المدين .(۵۲)**

ترجمہ: بیع المعدوم کے قاعدے سے دو مسئلے مستثنیٰ ہیں۔ ایک بیع الاستجرار کہ معدوم ہونے کے باوجود استحساناً جائز قرار دی گئی ہے۔ اور دوسرا مقروض سے قرض کی بیع۔

اگر کتبِ فقہ کا تتبع واستقراء کے ساتھ مطالعہ کیا جائے تو معدوم کی بیع کے جواز سے متعلق اور بھی

---

(۵۰) الحصکفی، علاء الدین محمد بن علی (ت ۱۰۸۸ھ)، الدر المختار مع رد المحتار، (۵/۵۲)

(۵۱) ابن عابدین، محمد أمین بن عمر (ت ۱۲۵۲ھ)، رد المحتار علی الدر المختار، (۵/۵۲)

(۵۲) أفندی، علی حیدر خواجہ أمین (ت ۱۳۵۳)، درر الحکام فی شرح مجلۃ الأحکام، الناشر: دار الجیل بیروت، ط ۱۴۱۱ھ ۱۹۹۱م (۱/۱۸۲)

متعدد جزئیات مل جائیں گی۔اس سے یہ بات بھی مفہوم ہوتی ہے کہ ''بیع المعدوم'' ایک اجتہادی مسئلہ ہے، اوراحادیث مبارکہ میں جن معدوم اشیاء کی ممانعت آئی ہے، وہ محض معدوم ہونے کی وجہ سے نہیں، بلکہ غرر، دھوکہ دہی، جہالت اور دیگر اسباب کی وجہ سے ہے۔

خاتمہ

متاخرین فقہائے کرام اوراہل علم نے اس بات کی طرف خصوصی توجہ دی ہے کہ مسلمانوں میں رائج مالی معاملات، تجارت اور دیگر عقودِ مالیہ میں شریعت کی مقرر کردہ حدود میں رہتے ہوئے جہاں تک ہوسکے آسانی اورسہولت پیدا کی جائے، چنانچہ ضرورت، حاجت، اور تعامل وغیرہ کی وجہ سے انہوں نے متعدد صورتوں میں بیع المعدوم کو جائز قرار دیا ہے۔

احادیث مبارکہ میں صراحت کے ساتھ بیع المعدوم کی علی الاطلاق ممانعت نہیں آئی۔البتہ جن بیوع سے احادیث میں منع کیا گیا ہے، ان میں سے بعض میں مبیع موجودنہیں ہوتی۔جمہورفقہائے کرام اور ائمہ محدثین کی عبارات سے ظاہری طور پر یہ بات مفہوم ہوتی ہے کہ بیع المعدوم مطلقاً باطل ہے، اوراس موقف کی علامہ ابن تیمیہ اورابن قیم وغیرہ نے سختی سے مخالفت کی ہے، اور بیع المعدوم کو موجوداشیاء کی بیع کے مانند قرار دیا ہے کہ جن اسباب کی وجہ سے موجود مبیع کی بیع فاسد ہوتی ہے، جیسے غرر، دھوکہ وغیرہ۔انہیں امور کی بنا پر بیع المعدوم فاسد ہوسکتی ہے۔لیکن اگر فقہائے کرام کی اس سلسلے میں ذکر کردہ اصول وقواعداور بیع المعدوم کے جواز کی بیان کردہ جزئیات کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ جس طرح بیع المعدوم کو مطلقاً جائز قرار دینا مرجوح ہے، اسی طرح اسے علی الاطلاق باطل قرار دینا بھی مشکل ہے، بلکہ جہاں شدید حاجت اورضرورت ہو، یا ابتلائے عام اورلوگوں میں تعامل جاری ہو، یا اصالۃً نہیں، بلکہ تبعاً معدوم کی بیع ہورہی ہو، اور عاقدین کے درمیان نزاع اور جھگڑے کا خدشہ بھی نہ ہواوراحادیث میں اس کی ممانعت کی صراحت بھی موجود نہ ہوتو ایسی صورتوں میں بیع المعدوم کے جواز کی گنجائش نکل سکتی ہے۔

آخر میں یہ بات ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم نے فقہائے کرام کی عبارات سے بیع المعدوم سے متعلق اصولی مباحث اوراس کے جواز کی چند صورتیں اوپر ذکر کردی ہیں۔ان سب کا استقصاء اوراحاطہ نہیں کیا۔لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ اردو زبان میں بیع المعدوم کی فقہی جزئیات کو موضوعِ بحث بنایا جائے اور بالخصوص دورِحاضر میں رائج بیع المعدوم کی جدید صورتوں پر تحقیقی کام کیا جائے۔

مسلمان لڑکیوں میں بڑھتا ہوا فتنۂ ارتداد

مولانا محمد اسجد عقابی ❖

علامہ انور شاہ کشمیری فرماتے ہیں" : ایک مسلمان کا مرتد ہو جانا بھی مسلمانوں کے لئے مصیبت کبری ہے۔ بالخصوص عورتوں کا ارتداد معاذ اللہ، معاذ اللہ بڑا مہلک ہوگا، خدا نہ کرے کہ عورتوں میں اس قسم کی تحریک سرایت کر جائے"۔ علامہ انور شاہ کشمیری نے ایک صدی قبل جس خدشے کا اظہار کیا تھا آج وہ حقیقت کا روپ دھار کر مسلم معاشرہ کو ڈس رہا ہے۔ مسلمان لڑکیوں میں بڑھتے ہوئے فتنہ ارتداد نے مسلم معاشرہ کی جڑوں کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔ جس تیزی کے ساتھ فتنہ ارتداد مسلم لڑکیوں میں پھیل رہا ہے یہ مقام فکر وتدبر ہے۔ فتنہ ارتداد کی روک تھام اور ایمانی تحفظ و بقا کے سلسلہ میں مستقل لائحہ عمل بنانے اور زمینی سطح پر کام کرنے کی ضرورت ہے۔ اور ان اسباب و وجوہات کو حل کرنے کی ضرورت ہے جس پر دہائیوں سے باتیں ہو رہی ہیں لیکن ان کو حل کرنے کی خاطر خواہ کامیاب کوشش بظاہر نظر نہیں آرہی ہے۔ جو حضرات فتنہ ارتداد کے سد باب کے لئے کمر بستہ ہیں یا تو ان کی رسائی بہت محدود ہے یا ان کے وسائل بڑے پیمانے پر کام کرنے سے مانع ہیں۔ جن کو یہ دونوں چیزیں حاصل ہیں ان کی ترجیحات میں اب تک یہ فتنہ ارتداد شامل نہیں ہوسکا ہے۔ حالانکہ فتنہ ارتداد ایسا زہر ہلاہل ہے جو نہ صرف مسلم معاشرہ کو ذلت و نکبت کی جانب دھکیل رہا ہے بلکہ اس کی وجہ سے آنے والی نسل بھی مذہب اسلام سے دور اور بیزار ہوسکتی ہے۔

مسلمان لڑکیوں میں بڑھتے ہوئے فتنہ ارتداد کے اسباب و وجوہات میں غیرت ایمانی کی کمی، کفر وشرک سے عدم کراہت، غیر شرعی رسم ورواج کا چلن، دینی تعلیم وتربیت کی کمی، مخلوط نظام تعلیم وغیرہ سر فہرست ہیں۔ یہ وہ اسباب و وجوہات ہیں جن پر دہائیوں سے مفکرین قوم وملت اور قائدین بحث ومباحثہ اور ڈیبیٹ کرتے آرہے ہیں، فتنہ ارتداد کی ہولناکیوں سے وقتاً فوقتاً عوام الناس کو آگاہ کرنے اور ان میں دینی غیرت وحمیت پیدا کرنے کی سعی بھی کی جاتی رہی ہے اور یہ کوشش مختلف طریقوں سے اب بھی جاری ہے۔ لیکن فتنہ ارتداد کے اسباب و وجوہات تقریباً آج بھی اسی طرح برقرار ہیں جیسے دہائیوں قبل اس کے

❖ استاذ دار العلوم وقف دیوبند

عفریت نے مسلم قوم کو جھنجھوڑ دیا تھا۔فرق صرف اتنا ہے کہ ماضی میں اسباب کچھ اور تھے اور آج کے اسباب میں کچھ تبدیلی ہوگئی ہے۔

تعلیم انسانی زندگی کا زیور ہے۔ مذہب اسلام نے بنیادی دینی تعلیم کو تمام مسلمان مرد وعورت کے لئے فرض قرار دیا ہے۔ مذہب اسلام نے جس قدر حصول تعلیم پر زور دیا ہے، دنیا کے دیگر مذاہب میں ایسے احکامات نہیں پائے جاتے ہیں۔لیکن مذہب اسلام کی سب سے بڑی خاصیت یہ ہے کہ اس نے تمام طرح کے احکامات اور اوامر و نواہی کے لئے حدود متعین کئے ہیں۔ اسلام نے اپنے متبعین کی زندگی کے کسی بھی گوشہ کو تشنہ نہیں چھوڑا ہے۔ مذہب اسلام نے جہاں حصول تعلیم کے لئے ابھارا ہیو ہیں اس نے طریقہ تعلیم، تعلیم اور حصول تعلیم کے لئے کچھ حدود و قیود بھی بیان کئے ہیں۔حصول تعلیم کے وہ ذرائع جو کسی بھی طرح شرعی حدود سے ٹکراتے ہیں ناجائز اور ناقابل عمل ہے۔موجودہ دور میں مخلوط نظام تعلیم، بے حیائی و بے غیرتی کو فروغ دینے کا سب سے سہل اور آسان طریقہ ہے۔حصول تعلیم کے ذرائع ضرور وسیع ہوئے ہیں لیکن طریقہ کار میں جو تبدیلیاں پیدا ہوئی ہیں وہ اسلامی روح کے منافی ہے۔ مخلوط نظام تعلیم نے مسلم بچوں اور بچیوں میں غیر شعوری طور پر بے حیائی کو فروغ دیا ہے۔ان میں غیر محسوس طریقے پر اجنبیوں سے بے محابا اختلاط کا رجحان پیدا ہورہا ہے۔علامہ اقبال نے عورتوں کی تعلیم اور ان کے لئے متعین کردہ شرعی حدود کو بہت خوبصورتی کے ساتھ بیان کیا ہے" : مسلمان عورت کو بدستور اسی حد کے اندر رہنا چاہئے جو اسلام نے اس کے لئے مقرر کردی ہے اور جو حد کہ اس کے لئے مقرر کی گئی ہیاسی کے لحاظ سے اس کی تعلیم ہونی چاہئے "۔مسلم لڑکیوں کی تعلیم کے سلسلہ میں والدین کو ازسرنو سوچنے کی ضرورت ہے۔قوم کے قائدین اور صاحب ثروت افراد کو اس جانب خاطر خواہ توجہ دینے کی ضرورت ہے۔مخلوط نظام تعلیم سے بچنے اور بچیوں کو پاکیزہ ماحول میں تعلیم دلانے کے لئے بندہ کی رائے میں واحد سبیل یہ ہے کہ اپنے ادارے قائم کئے جائیں۔قوم کے قائدین اور اصحاب خیر افراد کو اپنی ترجیحات بدلنے کی ضرورت ہے، فتنہ ارتداد سے مسلم لڑکیوں کو بچانا وقت کا اہم تقاضا ہے۔زمینی سطح پر گاؤں گاؤں اور ضلع ضلع میں محنت کرنے کی ضرورت ہے۔ دوسروں پر تکیہ کرنے کے بجائے اپنے سہارے اپنی بچیوں کو فتنہ ارتداد سے بچانے کے لئے مضبوط اور فوری تدابیر اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔قوم کے قائدین کو چاہئے کہ وہ ذاتی طور پر یا عوامی طور پر جگہ بجگہ اپنے اسکول، کالج اور تعلیمی اداروں کے قیام پر زور دیں۔ ہمارا کم سے کم منصوبہ ہو کہ ملک کے کسی گوشہ میں بسنے والا کوئی مسلمان ایسے اداروں کا رخ نہ کرے، جہاں مذہب بیزاری اور مخلوط نظام تعلیم کے پس پشت بے

حیائی کو فروغ دیا جاتا ہو۔ مذہب اسلام نے عورتوں کی عفت وعصمت کو اتنی اہمیت دی ہے کہ ان کے بعض بنیادی احکامات تک میں تخفیف پیدا کی گئی ہے۔ دوران حج صفا ومروہ کے درمیان سعی (دوڑنا) ارکان میں سے ہے، لیکن یہاں بھی اسلام نے عورتوں کو دوڑنے کے بجائے محض تیز قدموں کے ساتھ چلنے کی اجازت دی ہے۔ ایسے پاکیزہ مذہب کے ماننے والے اگر اپنے مذہب سے روگردانی کریں، شرعی حدود و قیود کو پھلانگ جائے، اسلام کے نظام عفت وعصمت سے بغاوت کر جائے تو ان سے بڑا احرماں نصیب اور کون ہوگا۔

ایمانی غیرت اور کفر سے عدم کراہت بھی ایک اہم اور بنیادی سبب ہے۔ حضرت معاذ بن جبل فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے دس باتوں کی وصیت فرمائی، پہلی وصیت یہ تھی کہ اگر تمہیں قتل کر دیا جائے یا زندہ جلا دیا جائے پھر بھی اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھراؤ۔ صحابہ کرام اور بعد کے ادوار میں مسلمانوں کی ایمانی غیرت نے کبھی اس بات کو پسند نہیں کیا کہ کوئی ان کے ایمان اور مذہب کے متعلق کچھ غلط باتیں کہہ سکیں۔ محمد بن قاسم نے اسی ایمانی غیرت کی للکار پر راجہ داہر کی اینٹ سے اینٹ بجادی تھی۔ لیکن موجودہ دور میں سوشل میڈیا، اسکول، کالج، یونیورسٹی اور آفس وغیرہ میں مخلوط نظام کی وجہ سے صرف مرد وزن کا اختلاط نہیں پیدا ہوا ہے بلکہ دیگر مذاہب کے افراد کے ساتھ شب وروز کی ملاقات نے ان کی اس ایمانی غیرت کو کمزور کر دیا ہے جو ان کی زندگی کا سب سے قیمتی اثاثہ اور سرمایہ ہے۔ غیر اسلامی تہواروں میں شرکت اور انہیں بغرض تفریح دیکھنا اور ان کی خوبیوں کو بیان کرنے کی کوشش کرنا، یہ وہ اسباب ہیں جو ان کی کراہت کو ختم کرنے کے لئے کافی ہے۔ غیروں کی جانب سے اسلام پر کئے جانے والے اعتراضات کو سننا اور ان کو مستند عالم اور صاحب دل شخصیت سے حل کرائے بغیر انہیں سوالات میں غلطاں و پیچاں رہنا، اسلامی غیرت میں کمی کا باعث بنتا ہے۔ ہم مسلمانوں کو یہ طے کرنا ضروری ہے کہ دنیا میں ایمان سے زیادہ قیمتی شے اور کچھ نہیں ہے۔ دنیا اپنی تمام تر ناز ونعمت، راحت وسکون، مال ودولت، جاہ وحشمت کے باوجود ایمانی دولت کے سامنے ہیچ اور ناقابل ذکر شے ہے۔ انسان کی ساٹھ ستر سالہ زندگی بہر حال گزر جائے گی، لیکن اگر ایمانی تقاضوں سے منحرف ہوگئے اور دین اسلام کی پناہ سے نکل گئے تو بعد کی زندگی کا کیا ہوگا؟ یوٹیوب اور دیگر سوشل میڈیا پلیٹ فارم پر بچوں کو دکھانے کے لئے جو ویڈیوز اور گیم بنائے جاتے ہیں ان کی ترتیب اس طور پر ہوتی ہے کہ بچوں کو غیر شعوری طور پر ایسے الفاظ یاد ہونے لگتے ہیں جو کفر اور شرک کی طرف غماز ہیں۔ اور موجودہ دور میں مائیں اور گھر کے بڑے افراد بچوں کو خاموش کرانے کے لئے اور ان کا دل

بہلانے کے لئے موبائل دیتے ہیں لیکن یہ موبائل شرکیہ اور کفریہ ویڈیو سے بھرا ہوا ہوتا ہے جسے معصوم بچہ دیکھتا ہے۔موبائل فون بوقت ضرورت استعمال کئے جاسکتے ہیں لیکن ہروقت اور گھر کے ہر فرد کے پاس رہنا ضروری نہیں ہے۔ پرائیویسی کے نام پر نوجوان بچے بچیاں غلط راہوں پر لگ جاتے ہیں اور جب معاملہ قابو سے باہر ہوجاتا ہے تب احساس ہوتا ہے کہ غلطی ہوگئی ہے۔ دنیا کا دستور ہے کہ دوسروں کے تجربات سے سیکھنا چاہئے، جب ہم آئے دن بے راہ روی اور موبائل کے مضر اثرات کو دیکھ رہےہیں تو پھر اس کی ضرورت ہی کیا ہے۔

فتنہ ارتداد سے بچنے اور بچانے کے لئے مضبوط اور مستحکم نظام تربیت کی ضرورت ہے۔ بچے بچیوں کو عہد طفلی سے ہی مذہب کے تئیں حساس اور بیدار بنانے کی ضرورت ہے۔عصری تعلیم ضروری ہے لیکن ایمان کا تحفظ اس سے زیادہ ضروری ہے۔اس لئے تعلیم کے سلسلہ میں ان طریقوں کو اپنایا جائے، جہاں ایمان کا تحفظ بھی قائم ودائم رہے۔عصری علوم کے بغیر انسان کی زندگی گزری ہے اور آئندہ بھی گزر سکتی ہے لیکن دولت ایمان کے بغیر انسان کی زندگی اَنعام (جانور) کی طرح ہے۔ چندروزہ خوشی کے لئے اور کاغذ کی چند ڈگریوں کے حصول کی خاطر ایمانی تقاضوں سے روگردانی کرنا دنیا وآخرت دونوں کے لئے نقصاندہ ہے۔دنیاوی زندگی کو بہتر سے بہتر بنانے کی کوشش کرنا، مستحسن عمل ہے لیکن دنیاوی لہو ولعب اور دنیا کی حرص میں الجھ کر غیرت ایمانی سے سمجھوتہ کرنا قبیح عمل ہے۔اللہ تعالیٰ نے انسان کی فلاح و بہبود کی ضمانت ایمان پر رکھی ہے۔دنیا وآخرت کی حقیقی کامیابی انسان کو اسی وقت حاصل ہوسکتی ہے جب اس کا دل دولت ایمانی سے لبریز ہو اور اس کے اعمال مذہب اسلام کی ترجمانی کرتے ہو۔ایمان کے تقاضوں اور ان کے تحفظ کے لئے اپنے گھروں میں، گاؤں میں اور علاقوں میں مستقل طور پر محنت کرنے کی ضرورت ہے۔اسے اپنی زندگی کا نصب العین بنا کر اس میدان مین کام کرنے کی ضرورت ہے۔اللہ تعالیٰ ہمیں ایمانی تقاضوں کو پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور بے دینی سے محفوظ رکھے۔

قسط (۱)

الیکٹرو میگنٹک اسپیکٹرم، موبائل فون، اور انٹرنیٹ

تعارف، حقیقت، تکنیکی تفصیلات اور کچھ سوالات

ڈاکٹر مبشر حسین رحمانی ❖

ہماری روزمرہ کی زندگی میں موبائل فون کا استعمال بہت بڑھ چکا ہے۔ موبائل فون کو نہ صرف یہ کہ بات چیت کیلئے استعمال کیا جاتا ہے بلکہ موبائل فون کی جدید شکل یعنی اسمارٹ فون کے ذریعے انٹرنیٹ بھی استعمال کیا جارہا ہے جن میں گیموں سے لے کر آن لائن شاپنگ اور لائیو اسٹریمنگ اور مختلف سوشل میڈیا پلیٹ فارمز واپلی کیشنز جیسے فیس بک، ٹوئیٹر، ٹک ٹاک، واٹس ایپ وغیرہ کا استعمال بھی شامل ہے۔ چاہے موبائل فون کو بات چیت کیلئے استعمال کیا جائے یا انٹرنیٹ استعمال کرنے کیلئے، موبائل فون صارفین کو موبائل فون کمپنیوں سے پہلے موبائل فون کنکشن (کارڈ) حاصل کرنا پڑتا ہے۔ موبائل فون کمپنیاں اپنے موبائل نیٹ ورک چلانے کیلئے حکومت سے اسپیکٹرم کا لائسنس حاصل کرتی ہیں اور پھر موبائل صارفین کو موبائل کمیونیکیشن کی سروس مہیا کرتی ہیں۔ عالمی سطح پر اگر ہم اعداد وشمار دیکھیں تو آئرلینڈ میں 5G کے اسپیکٹرم آکشن پر چار سو اڑتالیس ملین یورو آئرلینڈ کی حکومت نے ٹیلی کمیونیکیشن کمپنیوں سے وصول کیے (۱)۔ جرمنی میں 5G کے اسپیکٹرم کی نیلامی پر ساڑھے چھ ارب یورو سے زیادہ حکومت نے ٹیلی کمیونیکیشن کمپنیوں سے وصول کیے (۲)۔ دہلی، انڈیا میں ۷۰۰ میگا ہرٹز کا اسپیکٹرم بلاک تقریباً ۲۵۴۵ کروڑ انڈین روپے میں نیلام ہوا (۳)۔ اگر ہم پاکستان کی بات کریں تو سن ۲۰۲۱ میں حکومت نے اسپیکٹرم کی نیلامی ۲۷۹ ملین امریکی ڈالر یعنی تقریباً چھیالیس ارب پاکستانی روپے میں کی (۴)۔

❖ استاذ مونسٹر ٹکنالوجی یونیورسٹی (MTU) آئرلینڈ

(1) Irish mobile operator spectrum auction, Dec 2022.Link: https://www.siliconrepublic.com/comms/ireland-5g-spectrum-band-auction-comreg

(2) 5G Spectrum auction in Germany, 2019. Link: https://www.reuters.com/article/us-germany-telecoms-idUSKCN1TD27D

(3) Department of Telecommunications, India, 2022. Link: https://dot.gov.in/sites/default/files/Provisional%20Result%20and%20Frequency%20Assignment-Spectrum%20Auction%202022_0.pdf

(4) PTA, 2021. Link: https://www.pta.gov.pk/en/media-center/single-media/press-release-100921

اسی طرح سے اگر انٹرنیٹ کی بات کی جائے تو کچھ کمپنیاں انٹرنیٹ بینڈ وڈتھ Internet Bandwidth کے لئے صارفین سے کم نرخ لیتی ہے جبکہ اس کے بالمقابل کچھ کمپنیاں جو کہ فائبر آپٹک کیبل استعمال کرتی ہیں اور زیادہ انٹرنیٹ بینڈ وڈتھ مُہیّا کرتی ہیں، وہ صارفین سے زیادہ نرخ وصول کرتی ہیں۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حکومت جب اسپیکٹرم Spectrum کی نیلامی یعنی آکشن Auction کرتی ہے تو یہ اسپیکٹرم اتنا مہنگا کیوں ہوتا ہے؟ پھر مختلف حکومتیں اِسی یکساں اسپیکٹرم کی مختلف قیمتیں کیوں لگاتی ہیں؟ عام آدمی اس اسپیکٹرم کو ہوا یعنی فضا سمجھتا ہے، تو کیا حکومت اس ہوا کی نیلامی کرتی ہے؟ اگر حکومت اس ہوا کی نیلامی کرتی ہے تو یہ ہوا حکومت کہاں سے خریدتی ہے؟ اگر یہ اسپیکٹرم ہوا نہیں تو پھر اس اسپیکٹرم کی اصل حقیقت کیا ہے؟ کیا اس اسپیکٹرم کو لہروں سے تعبیر کیا جا سکتا ہے؟ کیا یہ لہریں فضا میں ہر وقت موجود ہوتی ہیں یا حکومت ان لہروں کو بناتی ہے اور پھر ان موبائل فون کمپنیوں کو نیلام کرتی ہے؟ جب یہ ٹیلی کمیونیکیشن کمپنیاں اتنی بھاری قیمت پر اس اسپیکٹرم (لہروں) کو خریدتی ہیں تو کیا وہ صارفین سے اس پیسے کے عوض نفع وصول کرتی ہیں جو کہ ان کمپنیوں نے حکومت کو لائسنس کی ضِمن میں ادا کئے یا پھر یہ ٹیلی کمیونیکیشن کمپنیاں اپنے اخراجات پورا کرنے کیلئے عام صارفین سے پیسے وصول کرتی ہیں؟ حکومت جب اسپیکٹرم کی نیلامی کرتی ہے تو اس کا شرعی حکم کیا ہے؟ یعنی اس کی شرعی کیفیت کیا ہوگی؟ کیا یہ اسپیکٹرم اعیان میں شمار ہوگا اور اس کی بیع ہوگی؟ یا اس اسپیکٹرم کا اجارہ ہوگا؟ کیا حکومت کا اس اسپیکٹرم کی خرید و فروخت کرنا اپنی ذات میں درست ہے؟

کیا ہم اسپیکٹرم کی نیلامی کے عمل کو اس پر محمول کر سکتے ہیں کہ جیسے اگر سمندری حدود کا کچھ حصہ کسی ملک میں شامل ہے تو وہ ملک عالمی بحری جہازوں کو اپنی سمندری حدود میں سے گزرنے کیلئے لائسنس اور فیس وصول کرتا ہے تو کیا اسپیکٹرم بھی اسی طرح شمار ہوگا؟ کیا حکومت کا یہ پابندی لگانا کہ کوئی ان لہروں کو استعمال نہیں کر سکتا، درست ہے؟ نیز جب کوئی ٹیلی کمیونیکیشن کمپنی حکومت سے اسپیکٹرم کا لائسنس حاصل کرتی ہے تو کیا وہ کمپنی اس اسپیکٹرم کو آگے لیز Lease پر دے سکتی ہے؟

حضور پاک ﷺ کا ارشاد ہے کہ سارے مسلمان تین چیزوں میں باہم شریک ہیں، گھاس، پانی، اور آگ میں (۱)۔

اسی طریقے سے علمائے کرام ارشاد فرماتے ہیں کہ: جنگلات وغیرہ میں جو لکڑیاں، گھاس، اور شکار

(حوالہ: فقہ البیوع اسلام کا نظامِ خرید و فروخت، جلد، صفحہ ۰۰

ہوتے ہیں ان کو بیچنا جائز نہیں ہے، اور ہوا میں اڑتے پرندوں کی بیع بھی جائز نہیں ہے۔ بعض حکومتیں اسی شخص کو شکار کرنے کی اجازت دیتی ہیں جس کے پاس حکومت کا اجازت نامہ ہو اور یہ اجازت نامہ مالی عوض کے بدلہ دیا جاتا ہے، یہ ظلم اور ناجائز ہے؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کیلئے شکار کو حلال کیا ہے؛ لہذا کسی کو منع کرنے اور اجازت پر عوض حاصل کرنے کا اختیار نہ ہوگا۔(۱)

احادیثِ مبارکہ اور فقہائے کرام کے ان ارشادات کی موجودگی میں کیا حکومت کا اسپیکٹرم بیچنا شکار کے حکم میں آئے گا یا اس حدیث کے حکم میں آئے گا جس میں آگ، پانی اور خُود رَو گھاس کو مباحِ اصل قرار دیا گیا ہے؟ جب کوئی ٹیلی کمیونیکیشن کی کمپنی اسپیکٹرم کا لائسنس حاصل کرلے گی تو کیا وہ صارفین کو جو موبائل فون کی سروس، انٹرنیٹ اور ائیر ٹائم Airtime مہیا کرتی ہے کیا وہ اس اسپیکٹرم کا چارج کرتی ہے جو کہ اس نے حکومت کو لائسنس فیس کی مد میں ادا کیئے یا وہ صارفین سے الیکٹرمیگنٹک اسپیکٹرم کی لہریں پیدا کرنے، کمیونیکیشن نیٹ ورک کا نظام کھڑا کرنے اور دیگر آپریٹنگ اخراجات (Operating Expenses OpEx) یا کیپیٹل اخراجات (Capital Expenditure CapEx) کی مد میں لیتی ہے؟ اسی طریقے سے یہ انٹرنیٹ بینڈ وڈتھ کیا ہوتی ہے اور ڈیٹا ریٹ Data Rate سے اس کا کیا تعلق ہے؟ کیا یہ اسپیکٹرم اور انٹرنیٹ بینڈ وڈتھ ایسی چیز ہے جس کی خرید و فرخت کی جاسکے یا اس کو اجارہ پر دیا جائے؟ ائیر ٹائم کی بیع ہوتی ہے یا اجارہ؟ کیا اپنا ائیر ٹائم کسی دوسرے کو فروخت کیا جاسکتا ہے؟ فریکوئنسی اور میگا ہرٹز کیا ہوتا ہے؟

غرض موبائل فون، انٹرنیٹ اور لہروں کے اس پیچیدہ نظام سے متعلق اس طرح کے دسیوں سوالات ہیں جن کے جوابات، شرعی مسائل اور فقہی تکییف، لہروں کے اس نظام، موبائل فون کے نیٹ ورک کے کام کے طریقہ کار اور انٹرنیٹ کے نظام کو سمجھنے پر موقوف ہے۔ لہذا اس مضمون میں ہم ان ٹیکنالوجیز کا تعارف، حقیقت اور تکنیکی تفصیلات فراہم کررہے ہیں۔ ہم امید کرتے ہیں کہ ان شاء اللہ ان سائنسی و تکنیکی تفصیلات کے واضح ہوجانے کے بعد ان ٹیکنالوجیز سے متعلق سوالات کے جوابات اور فقہی تکییف میں سہولت پیدا ہوجائے گی۔

اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم نعمت الیکٹرومیگنٹک اسپیکٹرم

اللہ رب العزت کی اس کائنات میں ایسی ایسی نعمتیں موجود ہیں کہ انسان جب اُن کے بارے

(۱) حوالہ: فقہ البیوع اسلام کا نظامِ خرید و فروخت، جلد، صفحہ

میں جانتا ہے اور پھر انسانیت کی بھلائی کیلئے ان نعمتوں کو استعمال کرتا ہے تو اس کا دل شکر سے لبریز ہو جاتا ہے۔ اگر کوئی بھی بنظر انصاف ان نعمتوں کا مشاہدہ کرے تو وہ نہ صرف یہ کہ اللہ کے وجود کا قائل ہو جائے گا بلکہ اس پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑیں گے کہ اللہ پاک کتنی عظیم قدرت کے مالک ہیں۔ پھر اللہ رب العزت نے جو نعمتیں ایسی بنائی ہیں جن کو ہر انسان نے استعمال کرنا ہے تو ان نعمتوں کو وافر مقدار میں مُہیّا بھی کر دیا ہے اور پھر ان نعمتوں پر اللہ پاک کوئی فیس بھی وصول نہیں فرماتے۔ پانی ہی کی مثال لے لیجئے، ہر جاندار کی ضرورت ہے، اللہ پاک نے اس کو وافر مقدار میں نہ صرف یہ کہ مُہیّا کر دیا بلکہ سمندروں سے نمکین پانی کو بھاپ کی صورت میں اڑا کر بادلوں کے ذریعے پانی کو میٹھا کر کے زمین کے مختلف حصوں میں برسا دیا۔ زمین کے نیچے پانی کی وافر مقدار مُہیّا کر دی، پہاڑوں پر برف کی صورت میں پانی کے ذخیروں کو محفوظ کر دیا، آبشاروں، ندی اور نالوں کے ذریعے پانی کو زمین پر پھیلا دیا۔ غرض، دریاؤں اور سمندروں کا ایک ایسا نظام تخلیق کر دیا کہ پانی ہر جگہ، ہر وقت، ہر جاندار کو وافر مقدار میں ملتا رہے۔

اللہ پاک کی انہی نعمتوں میں سے ایک عظیم نعمت الیکٹرومیگنٹک اسپیکٹرم Electromagnetic Spectrum بھی ہے (۵)۔ بنیادی طور پر الیکٹرومیگنٹک ریڈیشن یعنی شعاؤں کے سلسلے یعنی رینج کو الیکٹرومیگنٹک اسپیکٹرم کہا جاتا ہے۔ ان الیکٹرومیگنٹک ریڈیشن یعنی شعاؤں کا اظہار انرجی Energy، فریکوئنسی Frequency، یا ویولینتھ (طولِ موج یا لہر کی لمبائی) Wavelength کے ذریعے کیا جاتا ہے (۶)۔

The electromagnetic spectrum (EMS(is the general name given to the known range of electromagnetic radiation.(7)

آسان الفاظ میں ہم یہ کہتے ہیں کہ اس الیکٹرومیگنٹک اسپیکٹرم میں مختلف اقسام کی فریکوئنسی کی لہریں ہوتی ہیں، جن کی خصوصیات اور صفات فریکوئنسی کے حساب سے الگ الگ ہوتی ہیں اور اس وجہ سے ان لہروں (مختلف فریکونسیوں) کے مختلف استعمال ہیں۔ اس الیکٹرومیگنٹک اسپیکٹرم کو فریکوئنسی کے حساب سے مختلف حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے جسے فریکوئنسی بینڈ Frequency Bands کہا جاتا ہے (۹،۸) اس الیکٹرومیگنٹک اسپیکٹرم کو اُن کے فریکوئنسی کے حساب سے سات حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:
گاما ریز Gamma Rays، ایکس ریز X-rays، الٹراوائلٹ ریز Ultra violet rays،

(5) Electromagnetic Spectrum, Britiannica. Accessed 25th Nov 2023. Link: https://www.britannica.com/science/electromagnetic-spectrum
(6) NASA, Imagine the University. Link: https://imagine.gsfc.nasa.gov/science/toolbox/emspectrum1.html
(7) COSMOS - The SAO Encyclopedia of Astronomy. Link: https://astronomy.swin.edu.au/cosmos/e/electromagnetic+spectrum
(8) John S. Seybold, Introduction to RF Propagation, September 2005, John Wiley & Sons, Inc.
(9) The Electromagnetic Radiation Spectrum.

روشنی Visible Light، انفرارِیڈ Infra red، مائیکرو ویو Microwaves، اور ریڈیو ویوز Radio waves۔ جب سے کائنات وجود میں آئی ہے، الیکٹرو میگنٹک فیلڈز، کسی نہ کسی شکل میں موجود ہیں۔

یہ الیکٹرو میگنٹک اسپیکٹرم ہی ہے جس کی وجہ سے ہمیں نظر آتا ہے، ستاروں کی روشنی نظر آتی ہے اور اس کے بغیر زندگی قائم نہ رہ سکے۔ الیکٹرو میگنٹک اسپیکٹرم، جس کے خالق اللہ رب العزت ہیں، اُن بنیادی اصولوں میں سے ایک ہے جس سے یہ کائنات چل رہی ہے۔

الیکٹرو میگنٹک اسپیکٹرم اور آواز کے اسپیکٹرم میں فرق ہے یعنی روشنی جو ہمیں نظر آتی ہے یا موبائل فون سے جو لہریں خارج ہوتی ہیں، یا ایکس رے کی جو لہریں ہیں وہ یکسر مختلف ہوتی ہیں آواز کی لہروں سے۔ یعنی جہاں تک آواز کا تعلق ہے تو آواز کو سفر کرنے کیلئے میڈیم کی ضرورت پڑتی ہے یعنی اگر ویکیوم Vacuum ہوگا تو آواز کی لہریں سفر نہ کرسکیں گی۔ جبکہ الیکٹرو میگنٹک اسپیکٹرم یعنی الیکٹرو میگنٹک لہروں کو سفر کرنے کیلئے کسی میڈیم یا آلہ کی ضرورت نہیں ہے۔

Electromagnetic waves do not require a medium to propagate.This means that electromagnetic waves can travel not only through air and solid materials, but also through the vacuum of space.

مثلاً جب ہم خلا میں چلے جائیں تو وہاں پر بھی الیکٹرو میگنٹک لہریں سفر کرتی ہیں۔ اسی طرح سے الیکٹرو میگنٹک لہریں ٹھوس میٹریل سے بھی گزر جاتی ہیں مثلاً موبائل کے سگنل دیواروں، کنکریٹ اور لوہے کے آر پار گزر جاتے ہیں۔

VLF and ELF radio waves can also penetrate water to hundreds of meters depth, so they are used to communicate with submerged submarines.

عمومی طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ الیکٹرو میگنٹک لہریں پانی میں سفر نہیں کرسکتیں مگر انہی الیکٹرو میگنٹک لہروں میں سے وی ایل ایف اور ای ایل ایف کی فریکوئنسی والی لہریں سمندر کی گہرائیوں میں بھی سفر کرتی ہیں، اسی وجہ سے سَب میرین یعنی آبدوزوں کی کمیونیکیشن کیلئے استعمال کیا جاتا ہے۔

آواز کے اسپیکٹرم کی بات آئی تو قارئین کی خدمت میں اگلی قسط میں دو واقعات اور اس کی مزید تفصیلات بھی پیش کی جائیں گی۔ (جاری)

امامِ اعظم ابو حنیفہؒ کا حدیثی اور فقہی ذوق

مولانا محمد صدیق ابوالحاج مظفری ❖

امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے، آپ کا نام نعمان، والد کا نام ثابت، دادا کا نام زوطی اور آپ کی کنیت ابو حنیفہ ہے، آپ کی ولادت سن ۸۰ ہجری میں اور وفات سن ۱۵۰ ہجری میں ہے، آپ امام الائمہ اور پوری امت کے محسنِ اعظم ہیں، اللہ تعالی نے آپ کو علمِ شریعت کی خاص فہم اور نصوصِ شرعیہ سے فقہی مسائل کے استدلال واستنباط کی بے پناہ قوت عطا فرمائی تھی، چنانچہ امامِ مالک، عبداللہ بن مبارک، عبدالرحمٰن بن مہدی اور یزید بن ہارون رحمہم اللہ جیسے کبار ائمہ سے آپ کے متعلق تعریفی کلمات کافی زیادہ مشہور ہیں اور امامِ شافعی (متوفی ۲۰۴ھ) رحمہ اللہ کا یہ جملہ تقریبًا ان سب کی ترجمانی کرتا ہے: **الناس عِیالٌ علی ابی حنیفة فی الفقه** (۱)

فقہ اسلامی کی تدوین

فقہ اسلامی کے مدوِّنِ اول آپ ہی ہیں، چنانچہ آپ نے قرآن وحدیث سے فقہی مسائل کے استنباط کے لیے اہلِ علم کی چالیس رکن شوری قائم فرمائی تھی، جس میں روزانہ کی بنیاد پر قرآن وحدیث کی روشنی میں فقہی مسائل پر بحث کی جاتی تھی اور مضبوط دلائل کی بنیاد پر نتائج قائم کیے جاتے، جن فقہی استنباطات اور نتائجِ بحث کو آپ کے عظیم شاگرد امام محمد بن حسن شیبانی (متوفی ۱۸۹ھ) رحمہ اللہ نے اپنی خدا داد صلاحیتوں سے "ظاہر الروایۃ" (یعنی مبسوط، جامع صغیر، جامع کبیر، سیر صغیر، سیر کبیر اور زیادات) وغیرہ کی شکل میں مرتب کر کے اُمّت کے سامنے پیش کیا (۲)۔

فقہ مالکی کی تدوین کی پہلی کوشش تو امام محمد رحمہ اللہ کے شاگرد اسد بن الفرات مالکی

❖ جامعہ فاروقیہ، شجاع آباد، ملتان

(۱) تہذیب الاسماء واللغات للإمام النووی: ۲/۲۲۰، ط: دار الکتب العلمیۃ، بیروت

(۲) اخبار ابی حنیفۃ للصَّیمری، ص: ۱۵۸، ط: عالم الکتب، وفقہ اہل العراق للکوثری، ص: ۵۵، ط: الازہریۃ

(متوفی ۲۱۲ھ) رحمہ اللہ نے ”المُدوَّنة الاسدية“ کی شکل میں فرمائی، جو امام مالک (متوفی ۱۷۹ھ) رحمہ اللہ کے کبار تلامذہ میں سے تھے اور انہیں خود امام مالک رحمہ اللہ نے عراق جا کر امام محمد بن حسن شیبانی رحمہ اللہ سے استفادے کا مشورہ دیا تھا، ان کے بعد پھر عبد السلام سَحنون بن سعید مالکی (متوفی ۲۴۰ھ) رحمہ اللہ نے اسد بن الفرات رحمہ اللہ کے مجموعے کی خوب خوب تنقیح کی اور اسے اپنی مشہورِ زمانہ کتاب ”المُدوَّنة الکبریٰ“ کی شکل میں پیش کیا۔ باقی عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ ”المُدوَّنة الکبریٰ“ ہی مذہبِ مالک کی سب سے پہلی کتاب ہے، یہ درست نہیں ہے، بلکہ ”المُدوَّنة الکبریٰ“ کے پیچھے ”المُدوَّنة الاسدية“ موجود ہے (۳)۔ فقہ شافعی کی تدوین خود امام محمد بن ادریس شافعی (متوفی ۲۰۴ھ) رحمہ اللہ کے قلم سے ”کتاب الام“ وغیرہ کی شکل میں ہوئی ہے، جو کہ حدیث میں امام مالک رحمہ اللہ کے اور فقہ میں امام محمد رحمہ اللہ کے خاص شاگرد ہیں (۴) اور فقہ حنبلی کو امام احمد بن حنبل (متوفی ۲۴۱ھ) رحمہ اللہ سے بہت بعد تک مدوَّن کیا جاتا رہا، اسی وجہ سے فقہ حنبلی کے اصول کوئی بہت زیادہ محدود نہیں ہیں۔

حدیثی ذوق اور علمی ذخائر: فقہ کی طرح فنِ حدیث میں بھی آپ کمال کا ذوق رکھتے تھے اور تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ آپ کے پاس علمِ حدیث کے بہت بڑے ذخائر موجود تھے، چنانچہ حافظ ابونعیم اصبہانی (متوفی ۴۳۰ھ) رحمہ اللہ اپنی سند سے یحییٰ بن نصر مروَزی (متوفی ۲۱۱ھ) رحمہ اللہ سے نقل فرماتے ہیں: ”دخلتُ على ابی حنيفة فی بيت مملوء كتبًا، فقلت ما هذه؟ قال: هذه احاديثُ كلُّها“ (۵) یعنی میں ایک مرتبہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ اُس وقت ایک ایسے کمرے میں تشریف فرما تھے کہ جو کتابوں سے بھرا ہوا تھا، میں نے آپ سے پوچھا کہ یہ کس فن کی کتابیں ہیں، آپ نے بتایا کہ یہ سب حدیثِ پاک کی کتابیں ہیں۔

اسی طرح آٹھویں صدی ہجری کے مشہور علامہ عالم عبد العزیز بخاری (متوفی ۷۳۰ھ) رحمہ اللہ اپنی کتاب ”کشف الاسرار“ میں یحییٰ بن نصر مروَزی رحمہ اللہ کا یہ قول نقل فرماتے ہیں: ”سمعت ابا حنيفة يقول عندی صناديقُ من الحديث ما اخرجتُ منها إلا اليسير الذی يُنتفع به.“ (۶)

---

(۳) ترتیب المدارک وتقریب المسالک للقاضی عیاض المالکی: ۲۹۸،۲۹۲/۳، ط: الازہریۃ، مصر، و”بلوغ الامانی فی سیرۃ الامام محمد بن الحسن الشیبانی“، للعلامۃ الکوثری، ص: ۱۹۱۴، ط: مکتبۃ الخانجی، مصر

(۴) بلوغ الامانی"، ص: ۳۴۲۰، ط: مکتبۃ الخانجی

(۵) شرح مسند ابی حنیفۃ "لملاعلی القاری، ص: ۷، ط: دار الکتب العلمیۃ، و"عقود الجواہر المنیفۃ فی ادلۃ مذہب الإمام ابی حنیفۃ" لمحمد مرتضی الزبیدی: ۳۳/۱، ط: مصر. (انظر مقدمۃ کتاب الآثار للنعمانی)

(۶) کشف الاسرار " لعبد العزیز البخاری: ۳۰/۱، ط: دار الکتب العلمیۃ

یعنی میں نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میرے پاس احادیث کے کئی صندوق بھرے ہوئے ہیں، جن میں سے تھوڑی سی مقدار کو (موقع ومحل کے مناسب) نفع کی غرض سے میں نے بیان کیا ہے۔ دسویں صدی ہجری کے مشہور محدث اور معروف شافعی عالم شمس الدین محمد بن یوسف صالحی (متوفی ھ) رحمہ اللہ نے آپ کے حدیثی مقام کے متعلق فرمایا ہے: "کان ابو حنیفة من کبار حفاظ الحدیث واعیانهم، ولولا کثرة اعتنائه بالحدیث ما تهیا له استنباط مسائل الفقه"(۷)

یعنی: امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کبار حفاظِ حدیث میں سے تھے، اگر آپ کی حدیثِ پاک میں بہت زیادہ ممارست نہ ہوتی، تو آپ کو فقہی مسائل کے استنباط کا ملکہ حاصل نہ ہوتا۔ اسی طرح مورخِ اسلام حافظ شمس الدین ذہبی (متوفی ۷۴۸ھ) رحمہ اللہ نے آپ کو حفاظِ حدیث میں شمار کیا ہے(۸) اور ان کے علاوہ متقدمین ومتاخرین اہلِ علم کی ایک بڑی جماعت نے آپ کے حدیثی ذوق کی گواہی دی ہے۔

معنی حدیث اورفقہ الحدیث سے خاص شغف: حدیثِ پاک کے الفاظ اور معانی میں سے آپ کو معنیٔ حدیث اور فقہ الحدیث سے زیادہ شغف تھا، مشکل احادیث کے حل اور قرآن وسنت کی بظاہر متعارض نصوص کی تطبیق میں آپ کو خوب مہارت تھی اور اس کے لیے آپ نے متعدد قواعد وضع فرمائے، جو آج تک اہلِ علم کے درمیان معروف اور متداول ہیں، جیسے قرونِ ثلاثہ کی حدیثِ مرسل کا مقبول ہونا، کسی مسئلے میں دو متعارض احادیث میں سے آخری پر عمل کرنا، حدیثِ مرفوع میں حل نہ ملنے پر صحابہ کرام کے قول، فعل اور تقریر کی طرف رجوع کرنا، کتاب اللہ اور صحابہ کرام کے عملِ متوارث کے خلاف خبرِ واحد کا مقبول نہ ہونا وغیر ذلک، خلاصہ یہ ہے کہ الفاظ سے شارع علیہ السلام کی مراد تک پہنچنے میں آپ کو ملکۂ اجتہاد حاصل تھا، جس کی وجہ سے آپ حدیث کے معانی ومطالب بیان کرنے اور ان سے فقہی مسائل کے استنباط میں کمال درجہ کے ماہر شمار ہوتے ہیں۔ چنانچہ ایک موقع پر مشہور محدث امام اعمش (متوفی ۱۴۸ھ) نے فہم حدیث میں آپ کے کمالِ بصیرت کو دیکھ کر ان کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: ''انتم الاطباء ونحن الصیادلة''(۹) یعنی آپ حضرات ہی ماہر طبیب ہیں، ہم تو محض دوا فروش ہیں۔

کتاب الآثار کی تدوین: معانیٔ حدیث سے اسی خاص شغف کا نتیجہ تھا کہ آپ نے سب سے پہلے فقہی ابواب کی ترتیب پر تدوینِ حدیث کی بنیاد ڈالی اور اپنی مایۂ ناز کتاب ''الآثار'' مرتب

(۷) عقود الجُمان فی مناقب الإمام ابی حنیفة النعمان "للصالحی ص: ۲۹۴، ط: جامعة الملک عبدالعزیز، السعودیة

(۸) تذکرة الحافظ "للحافظ الذہبی: ۱/۱۲۶، رقم الترجمة: ۱۶۳، ط: دارالکتب العلمیة، بیروت

(۹) مناقب ابی حنیفة وصاحبیه "للحافظ الذہبی، ص: ۳۵، ط: إحیاء المعارف النعمانیة، حیدرآباد الدکن

فرمائی، جس کو تصنیف حدیث کے میدان میں اس طرح مقبولیتِ عامہ حاصل ہوئی کہ بعد میں آنے والے تقریبًا ہر بڑے محدث نے تدوینِ حدیث میں ابوابِ فقہ کی ترتیب کو اختیار فرمایا اور آج تک سنن واحکام کی تمام کتابیں اسی ترتیب کے مطابق مرتب ہوتی چلی آئی ہیں، چنانچہ علامہ جلال الدین سیوطی (متوفی ۹۱۱ھ) رحمہ اللہ تبییض الصحیفۃ میں آپ رحمہ اللہ کی کتاب ''الآثار'' کے فقہی ابواب پر اولین تصنیف ہونے کا قول نقل کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: ''ومن مناقب ابی حنیفة التی انفرد بها: إنه اوَّلُ من دوَّن علمَ الشریعة ورتبه ابوابًا، ثم تابعَه مالكُ بن انس فی ترتیب المُوَطَّا"(۱۰)

یعنی یہ بات امامِ ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے فضائل میں سے ہے اور اس میں آپ کے ساتھ کوئی دوسرا شریک نہیں ہے کہ آپ نے سب سے پہلے علمِ شریعت کو فقہی ابواب کی ترتیب پر مرتب فرمایا، جس کے بعد پھر امامِ مالک رحمہ اللہ نے موطا کی ترتیب میں آپ کی پیروی کی۔ حدیث میں امامِ اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی تصنیف کردہ صرف یہی ایک کتاب ہے، جسے امام زفر، امامِ ابویوسف، امامِ محمد اور آپ کے فرزندِ ارجمند حماد بن ابی حنیفہ رحمہم اللہ سمیت متعدد شاگردوں نے روایت کیا ہے اور ہمارے اس آخری دور کے عظیم محدث حضرت مولانا عبدالرشید نعمانی (متوفی ۱۴۲۰ھ) رحمہ اللہ نے ''کتاب الآثار'' کے مقدمہ میں آپ سے اس کتاب کو نقل کرنے والے (۱۳) مشہور راویوں کے نام ذکر فرمائے ہیں۔

کتاب الآثار کے علاوہ روایات: امامِ اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے تدوینِ فقہ اور مجلسِ درس میں مسائلِ شرعیہ بیان کرنے کے دوران ''کتاب الآثار'' کے علاوہ بطورِ دلیل جو احادیث بیان فرمائی تھیں، یا اس کے علاوہ آپ رحمہ اللہ کے پاس صحابہ وتابعین کے مسودات کی صورت میں جو چھوٹے بڑے حدیثی مجموعے موجود تھے، ان کی روایت کا سلسلہ آپ کے تلامذہ اور بعد کے محدثین کے درمیان باقاعدہ جاری رہا، چنانچہ حافظ عبد اللہ حارثی (متوفی ۳۴۰ھ) رحمہ اللہ نے ''کشف الآثار الشریفۃ'' میں اور محدث خوارزمی (متوفی ۶۶۵ھ) رحمہ اللہ نے ''جامع المسانید'' میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تین شاگردوں (حافظ شعیب بن اسحاق دمشقی (متوفی ۱۸۶۵ھ)، حافظ اسحاق بن یوسف ازرق (متوفی ۱۹۵ھ) اور حافظ عبداللہ بن یزید مقری مکی (۱۱۳-۲۱۳ھ) رحمہم اللہ کے بارے میں نقل کیا ہے کہ انہوں نے کتاب الآثار کے علاوہ باقاعدہ صحیفوں کی شکل میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی احادیث مدوَّن فرمائی ہیں اور ''کشف الآثار الشریفة'' میں حافظ عبداللہ بن یزید مقری رحمہ اللہ کے صحیفے کی احادیث کی تعداد نوسو نقل کی گئی ہے (۱۱)۔

(۱۰) تبییض الصحیفۃ بمناقب الإمام ابی حنیفۃ "لجلال الدین السیوطی، ص: ۱۱۹، ط: دار الکتب العلمیۃ

(۱۱) انظر مقدمۃ" الموسوعۃ الحدیثیۃ لمرویات الإمام ابی حنیفۃ "للبہرائجی: ۱/۸۸-۹۰، ط: مکتبۃ رشدیۃ، کویئۃ

جیسا کہ امام محمد (متوفی ۱۸۹ھ) رحمہ اللہ کی بطورِ خاص ''کتاب الحجۃ علی اہل المدینۃ اور کتاب السیر'' میں اور امام ابو یوسف (متوفی ۱۸۲ھ) رحمہ اللہ کی کتاب الخراج وغیرہ میں آپ رحمہ اللہ کی ایسی روایات موجود ہیں کہ جو ''کتاب الآثار'' کی روایات کے علاوہ ہیں، اسی طرح موطا امام مالک بروایتِ امام محمد، مصنف عبد الرزاق، مصنف ابنِ ابی شیبہ، شرح معانی الآثار، شرح مشکل الآثار، سننِ دار قطنی، مستدرکِ حاکم اور امام بیہقی رحمہ اللہ وغیرہ کی تصانیف میں آپ کی سند سے بکثرت روایات منقول ہیں۔

روایتِ حدیث میں غایتِ احتیاط: روایتِ حدیث کے باب میں امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ حد درجے کے محتاط تھے، کمزور بنیادوں پر یا عجلت میں آپ کوئی حدیث بیان نہیں فرماتے تھے، چنانچہ امام وکیع بن الجراح (متوفی ۲۱۷ھ) رحمہ اللہ نے آپ کے متعلق فرمایا ہے:

''لقد وُجد الورع عن ابی حنیفة فی الحدیث ما لم یوجد عن غیره'' (۱۲)

یعنی روایتِ حدیث کے باب میں جس قدر احتیاط امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ میں تھی، اتنی احتیاط ان کے ہم عصروں میں کسی کے اندر نہیں تھی۔ حدیث کے معاملے میں آپ رحمہ اللہ ہمیشہ اپنے مضبوط حافظے پر اعتماد کرتے تھے، کتاب سے دیکھ کر احادیث بیان کرنے کو آپ جائز نہیں سمجھتے تھے، چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ کے استاذ یحییٰ بن مَعین (متوفی ۲۳۳ھ) رحمہ اللہ حدیث کے سلسلے میں آپ کے کمالِ احتیاط کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''کان لا یحدث بالحدیث إلا بما یحفظه'' (۱۳)

یعنی آپ رحمہ اللہ صرف وہی حدیث بیان کیا کرتے تھے، جسے اپنے حافظے میں ازبر پاتے۔

پس اسی کمالِ احتیاط اور فقہی استنباطات میں گہری مصروفیت کی وجہ تھی کہ فقہ میں تو آپ کو خوب شہرت حاصل ہوئی، مگر روایتِ حدیث میں آپ کے شایانِ شان زیادہ تعارف قائم نہیں ہوسکا، حالانکہ آپ شیخ المحدثین تھے، چنانچہ امام بخاری وامام مسلم رحمہما اللہ کے شیخ الشیخ، امیر المومنین فی الحدیث سفیان بن عیینہ (متوفی ۱۹۸ھ) رحمہ اللہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے متعلق فرماتے ہیں: اول من صیَّرنی محدثًا ابو حنیفة (۱۴) یعنی مجھے سب سے پہلے جس شخص نے محدث بنایا، وہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تھے۔

مسند امام اعظم اور دیگر مسانید ابی حنیفہ کی حقیقت: امام ابوحنیفہؒ کے اپنے اور تلامذہ کے دور میں آپ رحمہ اللہ کی جملہ احادیث مستقل طور پر کتابی شکل میں مدوَّن نہ ہوسکیں، البتہ چوتھی صدی ہجری کے اوائل میں باقاعدہ طور پر اس خیال کو عملی جامہ

(۱۲) مناقب الإمام الأعظم "لصدر الائمۃ موفق بن احمد المکی: ۱/۱۹۷، ط: مجلس دائرۃ المعارف، حیدرآباد الدکن، الہند

(۱۳) سیر اعلام النبلاء "للحافظ الذہبی: ۶/۳۹۵، ط: موسسۃ الرسالۃ، بیروت

(۱۴) الجواہر المضیۃ فی طبقات الحنفیۃ "لعبد القادر القرشی: ۱/۱۳۲، ط: میر محمد کتب خانہ، کراتشی

پہنانے کی سعی کا آغاز ہوا اور اس زمانے کے متعدد جید علماء نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی سند سے مروی احادیث کو مستقل مجموعوں میں مرتب کرنا شروع کیا، جو آج ''مسانید ابی حنیفہ'' کی شکل میں ایک بڑی تعداد میں ہمارے سامنے موجود ہیں۔

باقی مسند امامِ اعظم کے نام سے مشہور کتاب خود امام حنیفہ رحمہ اللہ کی اپنی تصنیف نہیں ہے اور نہ ہی آپ کے کسی شاگرد کی مرتب کردہ کتاب ہے، بلکہ مسند ابی حنیفہ کے نام سے آپ رحمہ اللہ کی احادیث کو جمع کرنے کا آغاز ہی چوتھی صدی ہجری کے مشہور عالم حافظ ابوعبداللہ محمد بن مخلد دُوری (متوفی ۳۳۱ھ) رحمہ اللہ نے کیا اور اپنی مشہورِ زمانہ کتاب ''مسند ابی حنیفہ'' تصنیف فرمائی، اس کے بعد لگاتار یہ سلسلہ علماءِ امت میں چل پڑا اور امام صاحب رحمہ اللہ کی احادیث پر تقریباً دو درجن کے لگ بھگ مسانید لکھی گئیں، جن میں سے حافظ ابن عُقدہ (متوفی ۳۳۲ھ)، حافظ ابن ابی العوّام (متوفی ۳۳۵ھ)، قاضی ابن الُاشنانی (متوفی ۳۳۹ھ)، حافظ عبداللہ حارثی (متوفی ۳۴۰ھ)، حافظ ابن عدی (متوفی ۳۶۵ھ)، حافظ ابن المظفر (متوفی ۳۷۹ھ)، حافظ ابن المقری (متوفی ۳۸۱ھ)، امام دارقطنی (متوفی ۳۸۵ھ)، حافظ ابن شاہین (متوفی ۳۸۵ھ)، حافظ ابونعیم اصفہانی (متوفی ۴۳۰ھ)، حافظ محمد بن طاہر مقدسی (متوفی ۵۰۷ھ) حافظ ابن خسرو (متوفی ۵۲۲ھ) اور حافظ ابن عساکر (متوفی ۵۷۱ھ) رحمہم اللہ کی مسانید بطورِ خاص قابلِ ذکر ہیں اور ان میں سے مسند ابن ابی العوّام، مسند الحارثی، مسند ابن المقری، مسند ابی نعیم الاصبہانی اور مسند ابن خسرو وغیرہ مطبوعہ شکل میں بحمد اللہ ہماری نظر سے گزری ہیں۔

باقی ان مسانید ابی حنیفہ پر مزید جو علمی کام ہوئے ہیں، مثلاً کسی مسند کا اختصار لکھا گیا ہے، یا کسی کی شرح لکھی گئی ہے، یا کسی کو ابوابِ فقہ پر مرتب کیا گیا ہے، یا کسی کے رجال کے حالات جمع کیے گئے، یا ان میں سے ایک سے زائد مسانید کو ملا کر کسی ایک کتاب میں یکجا کر دیا گیا ہے، ایسے علمی کاموں کی ایک طویل فہرست ہے، جن کو ہم نے اپنے تحقیقی مقالے ''امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے حدیثی ذخائر'' میں تفصیل سے جمع کرنے کی کوشش کی ہے۔

جنت کی ایک عظیم نعمت
''دیدارِ الٰہی''

مولانا محمد طارق نعمان گڑنگی ❖

رب العالمین نے اپنے پرہیزگار بندوں اور اہل ایمان کے لئے جن نعمتوں کا وعدہ کیا ہے اور جن نعمتوں کی لذت سے وہ آخرت میں ہمکنار ہوں گے ان میں سے سب سے عظیم تر نعمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جنت میں انہیں اپنا دیدار کرائیں گے، یہ جنت کی نعمتوں میں سے سب سے عظیم نعمت ہوگی اور اس کی لذت تمام نعمتوں کی لذت پر غالب ہوگی، بلکہ اس کی لذت پانے کے بعد جنتی جنت کی لذت کی تمام چیزوں اور ان کی لذتوں کو بھول جائیں گے۔ آیئے! جانتے ہیں کہ وہ کون سے اعمال ہیں جن کی بدولت آپ جنت میں اللہ کا دیدار کرسکیں گے۔

اسلام پر موت: جنت میں دیدار الہی کا ذریعہ بننے کا پہلا عمل یہ ہے ہ بندہ دینِ اسلام کی پیروی کرتے ہوئے دنیا سے رخصت ہوجائے، کیونکہ کافر کو اللہ تعالی کا دیدار نصیب نہیں ہوگا۔ جیسا کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ہرگز نہیں یقیناً ایسے لوگ اس دن اپنے پروردگار کے دیدار سے محروم رکھے جائیں گے۔(۱)

یعنی ان کے کفر و معاصی کی ایک سزا یہ ملے گی کہ وہ قیامت کے دن اپنے رب کے دیدار سے محروم کر دیئے جائیں گے۔اس سے یہ معلوم ہوا کہ مومنین اپنے رب کو دیکھیں گے اور کفار اس نعمت سے محروم کردیئے جائیں گے۔دوسرے مقام پر اللہ پاک نے ارشاد فرمایا: اس روز بہت سے چہرے تروتازہ اور بارونق ہوں گے۔ اپنے رب کو دیکھ رہے ہوں گے۔(۲) معلوم ہوا کہ قیامت کے دن نیک بندوں کو اللہ تعالی کا دیدار نصیب ہوگا اور اس خوشی میں ان کے چہرے تروتازہ اور چمک رہے ہوں گے۔

سیدنا جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم اپنے رب کو اپنی آنکھوں سے صاف دیکھوگے۔(۳)

❖ مرکزی صدر اسلامک رائٹرز موومنٹ، پاکستان (۱) المطففین: ۱۵ (۲) القیامۃ ۲۳/۲۲ (۳) صحیح البخاری: ۷۴۳۵

اللہ تعالی سے دعا: دیدارِ الٰہی کا ایک ذریعہ دعا ہے کہ آپ اللہ تعالی سے اس کے دیدار نصیب ہونے کی خوب دعا کریں۔

حضرت قیس بن عبادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما نے لوگوں کو نماز پڑھائی، اور اسے ہلکی پڑھائی، تو لوگوں نے اسے ناپسند کیا، تو حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا میں نے رکوع اور سجدے پورے پورے نہیں کیے ہیں؟ لوگوں نے کہا: کیوں نہیں، ضرور کئے ہیں، پھر حضرت عمار رضی اللہ عنہ کہنے لگے: سنو! میں نے اس میں ایسی دعا پڑھی ہے جس کو نبی کریم ﷺ پڑھا کرتے تھے وہ یہ ہے: **اللهم بعِلمِك الغيب وقدرتِك على الخلقِ احيني ما علمت الحياة خيرا لي وتوفني إذا علمت الوفاة خيرا لي واسئلك خشيتك فى الغيبِ والشهادةِ وكلمة الاخلاصِ فى الرِضا والغضبِ واسئلك نعيما لا ينفد وقرة عين لا تنقطع واسئلك الرِضاء بالقضاءِ وبرد العيشِ بعد الموتِ ولذة النظرِ الى وجهك والشوق الى لقائِك واعوذ بِك من ضراء مضرة وفتنة مضلة اللهم زينا بزينةِ الايمانِ واجعلنا هداة مهتدين**

ترجمہ: اے اللہ! میں تیرے علم غیب اور تمام مخلوق پر تیری قدرت کے واسطہ سے تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ تو مجھے اس وقت تک زندہ رکھ جب تک تو جانے کہ زندگی میرے لیے باعث خیر ہے، اور مجھے موت دیدے جب تو جانے کہ موت میرے لیے بہتر ہے۔

اے اللہ! میں غیب و حضور دونوں حالتوں میں تیری خشیت کا طلب گار ہوں، اور میں تجھ سے خوشی و ناراضگی دونوں حالتوں میں کلمہ اخلاص کی توفیق مانگتا ہوں، اور میں تجھ سے ایسی نعمت مانگتا ہوں جو ختم نہ ہو، اور میں تجھ سے ایسی آنکھوں کی ٹھنڈک کا طلبگار ہوں جو منقطع نہ ہو، اور میں تجھ سے تیری قضا پر رضا کا سوال کرتا ہوں، اور میں تجھ سے موت کے بعد کی راحت اور آسائش کا طلبگار ہوں، اور میں تجھ سے تیرے دیدار کی لذت، اور تیری ملاقات کے شوق کا طلبگار ہوں، اور پناہ چاہتا ہوں تیری اس مصیبت سے جس پر صبر نہ ہو سکے، اور ایسے فتنے سے جو گمراہ کر دے۔ اے اللہ! ہم کو ایمان کے زیور سے آراستہ رکھ، اور ہم کو راہنما و ہدایت یافتہ بنا دے۔(۱)

نمازِ فجر اور عصر کی پابندی: جنت میں دیدارِ الٰہی حاصل کرنے کا ایک عمل تمام نمازوں کی پابندی کے ساتھ نمازِ فجر اور عصر کی پابندی ہے۔ حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے آپ علیہ السلام نے چاند کی طرف نظر اٹھائی جو چودھویں رات کا تھا۔ پھر فرمایا: کہ تم لوگ اپنے رب کو اسی طرح دیکھو گے جیسے اس چاند کو دیکھ رہے ہو، اسے دیکھنے میں تم کو

---

(۱) سنن النسائی: ۱۳۰۵

کسی قسم کی بھی دقت نہ ہوگی، پس اگر تم سے سورج کے طلوع اور غروب سے پہلے (فجر اور عصر) کی نمازوں کے پڑھنے میں کوتاہی نہ ہو سکے تو ایسا ضرور کرو۔(۱)

ہر قسم کے گناہوں سے اجتناب: جنت میں دیدارِ الٰہی کا ایک ذریعہ گناہوں سے اجتناب ہے۔

سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: قیامت کے دن اللہ تعالی تین آدمیوں سے بات نہیں کرے گا، نہ ان کی طرف رحمت کی نگاہ سے دیکھے گا۔ نہ ان کو گناہوں سے پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔

آپ ﷺ نے تین بار یہ فرمایا تو سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ نے کہا: برباد ہوگئے، اور نقصان سے دوچار ہوگئے، وہ کون ہیں یارسول اللہ؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ایک تو ٹخنوں سے نیچے کپڑا لٹکانے والا، دوسرا وہ جو احسان کرکے اس کو جتانے والا، تیسرا جھوٹی قسم کھا کر اپنا مال بیچنے والا۔(۲)

ایک اور مقام پر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تین قسم کے آدمیوں سے نہ تو اللہ تعالی روزِ قیامت کلام کرے گا، نہ انہیں پاک کرے گا اور نہ ان کی طرف دیکھے گا اور انہیں درناک عذاب ہوگا: بوڑھا زانی، جھوٹا بادشاہ اور تکبر کرنے والا مفلس۔(۳)

ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعا مروی ہے کہ تین آدمی ایسے ہیں جن کی طرف اللہ تعالی قیامت کے دن (رحمت کی نظر سے) نہیں دیکھے گا۔ اپنے والدین کی نافرمانی کرنے والا، مستقل شراب پینے والا اور اپنی دی ہوئی چیز پر احسان جتلانے والا۔(۵)

اللہ تعالی سے ملاقات اور دیدار کی چاہت: دیدارِ الٰہی کا ایک ذریعہ اللہ تعالی سے ملاقات کا شوق اور اس کے دیدار کی چاہت ہے۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص اللہ سے ملنے کو پسند کرتا ہے، اللہ بھی اس سے ملنے کو پسند کرتا ہے اور جو اللہ سے ملنے کو پسند نہیں کرتا ہے اللہ بھی اس سے ملنے کو پسند نہیں کرتا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یا نبی اکرم ﷺ کی بعض ازواج نے عرض کیا کہ مرنا تو ہم بھی نہیں پسند کرتے؟ تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کے ملنے سے موت مراد نہیں ہے بلکہ بات یہ ہے کہ ایماندار آدمی کو جب موت آتی ہے جو اسے اللہ کی خوشنودی اور اس کے یہاں اس کی عزت کی خوشخبری دی جاتی ہے۔ اس وقت مومن کو کوئی چیز اس سے زیادہ عزیز نہیں ہوتی جو اس کے آگے (اللہ سے ملاقات اور اس کی رضا اور جنت کے حصول کے لئے) ہوتی ہے،

(۱) صحیح البخاری: ۵۵۴، صحیح مسلم: ۱۸۲ (۲) صحیح مسلم: ۱۰۶ (۳) صحیح مسلم: ۱۰۷ (۵) السلسلۃ الصحیح: ۳۰۹۹

اس لئے وہ اللہ سے ملاقات کا خواہش مند ہو جاتا ہے اور اللہ بھی اس کی ملاقات کو پسند کرتا ہے اور جب کافر کی موت کا وقت قریب آتا ہے تو اسے اللہ کے عذاب اور اس کی سزا کی بشارت دی جاتی ہے، اس وقت کوئی چیز اس کے دل میں اس سے زیادہ ناگوار نہیں ہوتی جو اس کے آگے ہوتی ہے۔ وہ اللہ سے جا ملنے کو ناپسند کرنے لگتا ہے، پس اللہ بھی اس سے ملنے کو ناپسند کرتا ہے۔(۱)

احسان کرنا: دیدارِ الٰہی کا ایک ذریعہ احسان ہے۔ احسان کا معنی یہ ہے کہ کسی بھی مخلوق کے لیے، کسی بھی قسم کی تمام اچھائی کے کام کو انجام دینا۔

امام جرجانیؒ فرماتے ہیں کہ احسان سے مراد وہ عمل ہے جو دنیا میں قابل تعریف ہو اور آخرت میں باعث اجر و ثواب ہو۔(۲)

احسان کی جامع تعریف: نبی کریم ﷺ کے فرمان کے مطابق احسان عبادت کی اس حالت کا نام ہے، جس میں بندے کو دیدارِ الٰہی کی کیفیت نصیب ہو جائے یا کم از کم اس کے دل میں یہ احساس ہی جاگزین ہو جائے کہ اس کا رب اسے دیکھ رہا ہے۔ احسان کرنے والوں سے اللہ محبت کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآن میں اپنے مومن بندوں سے فرماتا ہے: واحسنوا ان الله یحب المحسنین
تم احسان کرو، بے شک اللہ احسان کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔(۳)
احسان کرنے والوں کے لئے جنت اور دیدارِ الٰہی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا: جنھوں نے احسان کیا، ان کے لئے حسنیٰ یعنی حسین ترین بدلہ ہے اور اس پر اضافہ بھی ہوگا۔(۴)

نبی کریم ﷺ نے اس آیت کی تفسیر میں ارشاد فرمایا کہ حسنیٰ تو جنت ہے اور اضافہ اللہ تعالیٰ کا دیدار ہے۔ اللہ تعالیٰ کی روایت اور زیارت ایمان والے محسنین کے لئے اضافی طور پر نصیب ہوگی۔ جیسا کہ سیدنا صہیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب اہلِ جنت جنت میں داخل ہوں گے تو اللہ تبارک وتعالیٰ فرمائے گا: تمہیں کوئی چیز چاہیے جو میں تمہیں مزید عطا کروں؟ وہ کہیں گے: کیا تو نے ہمارے چہرے روشن نہیں کیے؟ کیا تو نے ہمیں جنت میں داخل نہیں کیا اور آگ سے نجات نہیں دی؟

آپ ﷺ نے فرمایا:

پھر اللہ تعالیٰ پردہ ہٹا دے گا تو انہیں کوئی چیز ایسی عطا نہیں ہوگی جو انہیں اپنے رب عزوجل کے دیدار

(۱) صحیح البخاری: ۶۵۰۷
(۲) التعریفات للجرجانی، ص: ۹۱
(۳) سورۃ البقرۃ: ۱۹۵
(۴) سورہ یونس ۲۶

سے زیادہ محبوب ہو، پھر آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی: لِلَّذِین احسنوا الحسنی و زِیادة (۱)
جن لوگوں نے احسان کیا، ان کے لئے حسین ترین بدلہ ہے اور اس پر اضافہ بھی ہوگا۔ (مزید یا اضافہ سے رب تعالی کا دیدار مراد ہے) (۲)

احسان کا وسیع دائرہ: احسان کے متعلق آیات کریمہ اور احادیث مبارکہ میں غور وفکر کرنے سے یہ بات خوب واضح ہوجاتی ہے کہ احسان کا یہ دائرہ اتنا وسیع ہے کہ اس میں انسان کا اپنا نفس اس کا گھرانہ اس کے رشتہ دار اقرباء، انسانی معاشرہ سب داخل ہیں۔ اس میں سرفہرست والدین کے ساتھ احسان، خاوند کا بیویوں کے ساتھ احسان، بیویوں کا خاوند کے ساتھ احسان، بیٹیوں کے ساتھ احسان، بیوؤاں، مساکین، اور یتیموں کے ساتھ احسان، ہمسایہ کے ساتھ احسان، نوکروں اور خادموں سے احسان اور پھر عام انسانوں سے احسان شامل ہیں۔

یاد رہے کہ ایک مسلمان کی پوری زندگی عبادت ہے، مومن کی ایک ایک حرکت عبادت ہے، اس کا اٹھنا، بیٹھنا، سونا، جاگنا، چلنا، کام کرنا سب عبادت میں شامل ہوتا ہے، گویا کہ ان ساری جگہوں میں احسان کا عمل دخل ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالی قیامت کے دن ہم سب کو اپنا دیدار نصیب فرمائے۔

(آمین یارب العالمین)

❁......❁......❁

(۱) سورۂ یونس: ۲۶ (۲) صحیح مسلم: ۱۸۱

قسط (۲۸)

علم کلام جدید

تعارف، مسائل اور مباحث: اصولِ نانوتوی کی روشنی میں

حکیم فخر الاسلام ❖

۷- کیا مذہب موروثی غیر عقلی چیز ہے؟

اعتراض: مذہب ایک موروثی شیء ہے، بہ معنی خلاف عقل؛ اس لیے اسے معاملات، معاشرات اور اخلاق وغیرہ میں دخیل نہیں بنانا چاہیے۔

جواب: یہ دراصل گزشتہ اعتراض کی بدلی ہوئی شکل ہے، اعتراض یہ ہے کہ خدا اور مذہب کی باتیں بچے کے کان میں نہ پڑیں، تو وہ ملحد ہوگا اور یہ کہ مذہب تو غیر عقلی محض موروثی چیز ہے: ''جو مسلمان کے گھر میں پیدا ہو وہ مسلمان رہتا ہے، جو ہندو کے گھر میں پیدا ہو وہ ہندو ہوتا ہے وغیرہ۔'' اور چوں کہ غیر عقلی محض موروثی ہونے کی وجہ سے یہ مذہب کسی چیز کے لیے معیار نہیں بن سکتا، اِس لیے اِس کے دائرے میں ''سچ یا جھوٹ اور حق و باطل'' کو تلاش کرنا اور پھر اُس پر اصرار کرنا بے معنی ہے۔ گویا ''مذہب کا ڈسکورس کوئی عقلی ڈسکورس نہیں ہے کہ اسے اِس قدر سنجیدگی سے لیا جائے کہ اسے کھینچ کر اجتماعی معاملات میں گھسیٹ لیا جائے، بس لوگ سنی سنائی بات سے مذہب قبول کر لیتے ہیں۔'' (۱)

❖ فاضل درسیات، بی یو ایم ایس علی گڑھ۔ ایم ڈی یونانی جامعہ ہمدرد، دہلی

(۱) ڈاکٹر زاہد مغل: ''مذہب تو موروثی چیز ہے؟''

اور وہ راہِ مستقیم اختیار کرے جو اصل مورثِ اعلی تک پہنچائے، تو کسی انسان کا مذہب بھی انسانِ اول مورثِ اعلی سے چلے ہوئے موروثی صراطِ مستقیم سے ڈگمگانے نہ پائے؛ مگر ایسا ہو نہیں پاتا؛ بلکہ اِس باب میں انسان اپنے اکتسابی عمل کے نتیجہ میں منزلِ مقصود سے بچل جاتا ہے اور تباہی کی سمت چل پڑتا ہے؛ مگر عجیب بات ہے کہ اِس حوالہ سے بھی آج کے انسانوں کا تمام سرمایہ علمی سے لے کر عملی تک، ظہورِ افعالِ اعضا سے لے کر اصولِ اخلاقِ قلب تک، مادی سے لے کر ذہنی تک، سائنسی استقرا سے لے کر عقلی برہانیات تک اور اوہام سے لے کر عقائد تک سب موروثی ہیں، کسی کا سلسلہ کسی مورثِ اعلی سے جا کر ملتا ہے اور کسی کا کسی سے۔ مذکورہ بالا اعتراض کے نقل کنندہ ڈاکٹر زاہد مغل صاحب نے بھی ایسا ہی نفسیاتی تجزیہ کیا ہے۔ اُنھوں نے علوم ستہ ... بقیہ اگلے ص: پر

اِس اعتراض کا بغیر کدو کاوش کے ایک سیدھا جواب یہ ہے کہ کائنات کے تمام انسان خود موروثی ہیں۔ اصلی تو صرف ایک انسان حضرت آدم تھے کیوں کہ ہر لحاظ سے اصل وہی کہلاتا ہے جو کسی کی فرع نہ ہو۔ اِس لحاظ سے تمام انسانوں کا۔ جس طرح جسم، عقل، روح، سب کے تقاضے اور ان کی غذا موروثی ہے۔ مذہب بھی موروثی ہونا چاہیے کیوں کہ اگر جسم کی غذا اناج و پھل ہے، عقل کی غذا علم، فکر ادراک ہے تو روح کی غذا مذہب ہے۔ مگر چوں کہ مذہب کا تعلق عقیدہ و عمل کے لیے اختیار کردہ اُس راستے سے ہے جو منزلِ مقصود تک پہنچائے، جس کا انتخاب انسان اپنے اختیار سے کرتا ہے، اس لیے وہ راستہ صحیح و غلط، حق و باطل، صالح و فاسد، کج اور مستقیم ہونے کے ساتھ اپنے اندر اٹک اور بھٹک کے احتمالات رکھتا ہے۔ اِس انتخاب میں انسان، اگر اپنے کسب کو صحیح سمت دے۔

پچھلے ص: کا بقیہ...... [اعتقادیات، ریاضیات، طبعیات، تہذیبیات، تدابیر منزل اور سیاستِ مُدُن] کے ذیلی اصول وفروع کا اجمالی جائزہ لیتے ہوئے کہا ہے کہ: ''زیر نظر مقدمے [مذہب ایک موروثی یعنی خلاف عقل چیز ہے] میں پیوست غلطی کو سمجھنے کے لیے پہلی بات یہ سمجھ لینی چاہیے کہ انسانی نسل وزندگی کو آگے بڑھانے کا ناگزیر طریقہ انسانوں کے ذریعے بچوں کا پیدا ہونا اور پرورش پانا ہی ہے۔ ایک انسان موروثی طور پر (یعنی ماں باپ، اساتذہ اور معاشرے کے عمومی رُجحانات کی بنا پر) صرف چند مذہبی عقائد'' ہی کو قبول نہیں کیا کرتا؛ بلکہ سائنس، اخلاقیات، تاریخیات، سماجیات، سیاسیات وغیرہ تک انسانی زندگی سے متعلق تمام دائروں میں متاثر ہوتا ہے۔ چناں چہ جس طرح یہ مشاہدہ بیان کیا جارہا ہے کہ مسلمان کے گھر پیدا ہونے والا مسلمان ہوتا ہے وغیرہ' بعینہ یہ بھی عام مشاہدہ ہے کہ یورپ و امریکہ میں پیدا ہونے اور تعلیم وتربیت کی منزلیں طے کرنے والا شخص نظریاتی طور پر بالعموم لبرل ٹائپ ہوتا ہے، نہ کہ مثلاً مارکسسٹ ...... مخصوص طرز کے لباس پہننے کو نارمل سمجھتا ہے، مخصوص کھانے کی اشیا کو فطرت کا تقاضا گردانتا ہے، چند مخصوص اعمال کو غیر اخلاقی وغیر قانونی جب کہ بعض کو فطری واخلاقی سمجھتا ہے۔ اِس کے برعکس مارکسسٹ روس میں پیدا ہونے اور پرورش پانے والے لوگوں کے رُجحانات وخیالات اس سے مختلف ہوا کرتے ہیں۔ الغرض ''موروثیت صرف مذہبی عقائد کے ساتھ خاص نہیں؛ بلکہ یہ تو انسانی زندگی کے تقریباً ہر ہی دائرے (بہ شمول سائنسی علوم، کیوں کہ ہر فرد کو یہ تمام علوم اپنی تفصیلات میں موروثی طور پر ہی ملے ہیں) میں اسے متاثر کرتی ہے۔'' اِس تجزیہ سے یہ تو معلوم ہوگیا کہ مذکورہ بالا اعتراض میں کوئی جان نہیں۔ البتہ جو بات بحث وتمحیص کے لائق ہوسکتی ہے وہ یہ کہ کیا مذہب ایک ایسی موروثی غیر عقلی اور خلافِ عقل چیز ہے، جس کے دائرے میں ''سچ یا جھوٹ اور حق و باطل'' کو تلاش کرنا اور پھر اُس پر اصرار کرنا اور اُس کے احکام کو اجتماعی معاملات تک میں دخیل گردانا بے معنی ہو! یا یہ کہ مذہب کسی ایسے خاص معیار پر مبنی چیز ہے کہ اُس معیار پر بھلے، برے، حق و باطل اور خیر شر کی بنیادیں رکھی جاسکتی ہیں۔ اگر ایسا کوئی مذہب ہوگا، تو وہ مذہبِ حق کہلائے گا اور اُس معیار سے الگ دیگر مذاہب باطل سمجھے جائیں گے۔ پھر اگر یہ بات ہے، تو عقلی طور پر ایسے معیار کا دریافت ہونا بھی ضروری ہے۔ وہ ایسے چند اخلاق ہیں، جن پر تمام افعال واعمال کا اچھا برا ہونا پرکھا جاتا ہے، جن کا ذکر ہم آئندہ کریں گے۔ اس کا ذکر تقریر دل پذیر میں بحسن وخوبی کیا گیا، جہاں یہ گفتگو کی گئی ہے اس کے شروع میں یہ مسئلہ بھی چھیڑا گیا ہے کہ جو شخص بھلے، برے، نفع ونقصان اور خیر وشر کو ہی نہ مانے، اُس کے لیے خود بھلے، برے کی تفہیم کے لیے کیا چیز معیار بنے گی، تو اِس باب میں عرض ہے کسی چیز کی بھلائی، برائی، خوبی وخامی کی شناخت اُس وصف کے ذریعہ ہوا کرتی ہے جس پر اس کے نفع نقصان کا مدار ہو۔

خبر نامہ

احوال وکوائف

تعطیل عید الاضحیٰ کی تکمیل اور تعلیم کا آغاز

عید قرباں کے پیش نظر مورخہ ۵؍تا ۱۷؍ذی الحجہ ۱۴۴۵ھ مطابق ۱۲؍تا ۲۴؍جون ۲۰۲۴ء کے لئے تعطیل عید الاضحیٰ کا اعلان کیا گیا تھا۔حسب اعلان تعطیل کے یہ ایام مکمل ہوئے، تمام طلبہ بروقت جامعہ حاضر ہوئے اور ایک توقف کے بعد پھر تعلیم کا آغاز کر دیا گیا ہے۔ وہیں اسباق کی پابندی اور حاضری کے اہتمام کے ساتھ شعبہ تعلیمات طلبہ کی حاضری پر بھی خاص نگاہ رکھے ہوئے ہے، گویا ایک بار پھر نظام جامعہ حسب معمول محو سفر پیہم رواں ہے۔

فتاوی دارالعلوم وقف دیوبند کی ساتویں جلد منظر عام پر

کورونائی عہد میں تعلیمی توقف کے دورانیہ کو غنیمت جانتے ہوئے ادارہ میں موجود فتاوی کے مجلدات کی ترتیب کا جو عمل شروع کیا گیا تھا، سال گذشتہ تک اس کی چھ جلدیں اپنی منفرد ترتیب و تحقیق اور تبویب کی رعایت کے ساتھ منظر عام پر آچکی ہیں اور اب گذشتہ ماہ فتاوی کی ساتویں جلد بھی طبع ہو کر منظر عام پر آ گئی

دارالعلوم وقف دیوبند کا تعاون کیسے کریں؟

بانی دارالعلوم دیوبند حجۃ الاسلام الامام محمد قاسم النانوتوی قدس سرہ نے ادارہ کی ترقی کے لیے جو اصول وضع کئے ہیں ان ہی میں سے ایک یہ ہے کہ دارالعلوم کو توکل علی اللہ اور عوامی چندے سے چلایا جائے اور اس کے لیے خاص طور پر غریب طبقہ کی طرف رجوع کیا جائے۔اس لیے جو اہل خیر حضرات دارالعلوم وقف دیوبند کو اپنے عطیات، زکوٰۃ اور صدقات کی رقوم ارسال کرنا چاہتے ہیں ان سے درخواست ہے کہ:

اپنے حلقوں میں پہنچے ہوئے سفراء کرام (جن کے پاس دارالعلوم وقف دیوبند کا شناختی کارڈ ہو) کو رقومات دے کر رسید حاصل کرلیں۔ منی آرڈر، ڈرافٹ یا چیک کے ذریعہ اپنی رقومات براہ راست ارسال کرسکتے ہیں۔وصولیابی کے بعد رسید ارسال کردی جائے گی۔ اگر براہ راست بینک اکاونٹ میں رقم جمع کرتے ہیں تو بذریعہ ای میل مطلع کردیں تاکہ اس کی تصدیق کرکے رسید ارسال کردی جائے۔

نوٹ: دارالعلوم وقف دیوبند کے چندہ دہندگان 80-G کے تحت انکم ٹیکس سے مستثنیٰ ہیں۔

تمام اکاؤنٹس کی تفصیلات

دارالعلوم وقف دیوبند کے کرنٹ اکاؤنٹس یونین بینک آف انڈیا، ایکسس بینک اور ایچ، ڈی، ایف، سی بینک میں ہیں، جن کی تفصیلات درج ذیل ہیں:

UNION BANK OF INDIA		
(1) ACCOUNT TITLE	:	DARUL ULOOM WAQF
ACCOUNT NUMBER	:	372901010014039
BANK	:	UNION BANK OF INDIA (DEOBAND BR)
SWIFT CODE	:	UBININ BBMRT
IFSC CODE	:	537292
AXIS BANK		
(2) ACCOUNT TITLE	:	DARUL ULOOM WAQF
ACCOUNT NUMBER	:	915010029212886
BANK	:	AXIS BANK (DEOBAND BR)
SWIFT CODE	:	AXISINBB
IFSC CODE	:	UTIB0002426
HDFC BANK		
(3) ACCOUNT TITLE	:	DARUL ULOOM WAQF
ACCOUNT NUMBER	:	50200002786907
BANK	:	HDFC BANK (DEOBAND BR)
SWIFT CODE	:	HDFC INBB
IFSC CODE	:	HDFC0001974

رابطہ کے لیے

Maulana Mohammad Sufyan Qasmi
Mohtamim Darul Uloom Waqf Deoband
Near Eidgah, Darul Uloom Waqf Road
Distt. Saharanpur U.P. INDIA Pin-247554

Ph: +91 8439512767
+91 8439412767
Email: rector@dud.edu.in
Website:www.dud.edu.in

RNI UPURD/2010/32139
Postal Regd. No. RNP/SHN/005/2023-25

RNI UPURD/2010/32139
Published, Printed and Edited by Mohammad Sufyan Qasmi
on behalf of Darul Uloom Waqf Deoband
Near Eidgah, Moh. Khanqah, P/o Deoband, Distt. Saharanpur (U.P.) &
Printed at Mukhtar Press, Samreen Printers,
Moh. Barziyaul Haq, Deoband (U.P.)

Vol: 16
Issue: 01
Muharram - 1446
July - 2024

دارالعلوم وقف دیوبند کے چندہ دہندگان ۸۰ جی کے تحت انکم ٹیکس سے مستثنیٰ

आयकर अधिनियम की धारा 80 जी के आधीन कर मुक्त प्रमाण पत्र
न. सी. न. (238)/कर मुक्ति/ आ. आ. मु. नगर/आ. आधि (तफ)/2009–10/9603

Exempted u/s 80G
No (238)/TAX EXEMPT/CIT MZN/I.T.O. (TEC) 2009-10/9603